دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلّہ

ماہنامہ الحق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد الحق بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

مغربی پاکستان

لہ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

جلد نمبر : ۵
شمارہ : ۲

ماہنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک

شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ
رمضان المبارک
نومبر ۱۹۶۹ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک : مغربی اور مشرقی پاکستان سے سالانہ ۸/ روپے ، فی پرچہ ۷۰ پیسے ، غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع وناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

یورپ کے ہاتھوں پوری انسانیت بے چینی اور اضطراب میں مبتلا ہوئی، پریشانی انتشار اور بے یقینی کی اس بحرانی کیفیت نے رفتہ رفتہ پورے عالم اسلام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، مغرب کی خدا بیزار تہذیب اور مادیت پر کھڑا کیا گیا، تمدن طاعون کی طرح ہر سو پھیلنے لگا، اور آج بدقسمتی سے مملکتِ عزیز پاکستان بھی پوری شدت سے اسکی زد میں ہے، طبقاتی، علاقائی، لسانی اور نظریاتی جنگ ایک عفریت کی طرح اسے ہڑپ کرنا چاہتی ہے۔ اور تاریخ کی بے مثال قربانی سے حاصل کی گئی مملکت پر نزع کی سی کیفیت طاری ہے، مریض جاں بلب ہے مگر مرض کی تشخیص کون کرے اور علاج کب موثر ہو جبکہ مرض کا علاج مرض ہی سے کیا جا رہا ہو اور اسی عطار سے نسخۂ شفا مانگا جا رہا ہو جس نے زہر زہر کھلا کھلا کر مریض کو لبِ گور تک پہنچا دیا ہے۔ گویا حالت یہ ہے کہ ؎

تداویت من لیلیٰ بلیلیٰ عن الھویٰ   کما یتداوی شارب الخمر بالخمر

اس مصیبت اور ہولناک عذاب سے چھٹکارا ہم اسی مادیت میں ڈھونڈ رہے ہیں، جس نے پوری انسانیت اور پورے عالم اسلام کو موت کے چوراہے پر کھڑا کر دیا ہے۔ مادیت خواہ مارکسزم اور سوشلزم کی شکل میں ہو یا مغربی نظام حیات اور وہاں کے معاشی نظاموں کی صورت میں، اسکی اساس خدا فراموشی، آخرت فراموشی، انسان کی اعلیٰ روحانی اور اخلاقی اقدار کی پائمالی پر ہے، اس کا خلاصہ جسم کی پرستش اور پیٹ کی عبادت کی ہے، وہ انسان کا رُخ اعلیٰ سیرت، ستھرے کردار اور معنوی اقدار سے موڑ کر صورت کی زیبائش، معدہ کی پرورش اور خواہشات نفس کی تسکین کیطرف کر دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج پوری کائنات اور پوری انسانیت کو مادہ اور معدہ کے پیمانہ سے ناپا جا رہا ہے۔ انسان کی تمام عالمی جدوجہد اجتماعی اور انفرادی ساری کوششوں کا محور دنیا کی چند روزہ زندگانی اور یہاں کی عیش کوشی رہ گئی ہے۔ پھر اس حرص و آز کی گہرائی اتنی شدید ہے کہ ڈیڑھ بالشت پیٹ نے زمین کو اسکی تمام وسعتوں کے ساتھ ہڑپ کر دیا مگر ہوسناکی بڑھتی گئی اور چاند ستاروں اور آسمانوں پر کمند ڈالی جانے لگی۔

خدا اور آخرت کے تصور سے آزاد انسان کی اسی حیوانی فطرت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان الفاظ سے اشارہ فرمایا کہ اگر اسے سونے کی دو بھری وادیاں بھی مل جائیں تو یہ تیسری کی تلاش میں رہیگا
پیٹ اور خواہشات ، یہ انسان جیسے ناتواں اور محتاج مخلوق کے فطری تقاضے تھے ، قدرت نے
اسے روکا نہیں بلکہ پوری فیاضی سے اس ساری کائنات کو عرش سے لیکر فرش تک اس کی جسمانی خدمت
پر لگا دیا ، یہ چاند ، یہ ستارے ، یہ آسمان ، یہ زمین ، یہ سمندر اور یہ ہوائیں ، یہ بادل اور یہ بارشیں سب
اسکی جسمانی حاجتوں اور تقاضوں کا مجسم جواب ہیں ، وہ اس کے لئے مسخر ہیں ، اور اس وسیع کائنات
میں ابر و باد اور مہ و خورشید سب کی ترک تازیاں اسی مٹھی بھر جسم "جسدِ انسانی" کی خاطر ہیں ، پھر کیا
انسان جو کائنات کے ذرہ ذرہ ، کیا ہوا کیا پانی ، کیا دھوپ کیا مٹی ، ہر چیز کا محتاج ہے ، اس کا مقصد
بھی صرف دیگر چرند اور پرند کی طرح چرنا کھانا پینا ہے ۔ اگر یہی مقصد ہوتا تو بڑی حیرت اور تعجب کی بات
ہوتی کہ ان چیزوں میں تو انسان سے ایک سے ایک بڑھ کر مخلوق چوپائے اور درندے موجود ہیں ۔۔
کھانے پینے میں تو گدھا اور ہاتھی اس سے زیادہ آسودہ ہے ، نہ ہل جوتنے نہ بونے نہ کاٹنے نہ صاف
کرکے پکانے کی فکر ہے نہ پوشاک کی نہ مکان کی ، شہوت رانی میں وہ ایک چڑیا کا مقابلہ نہیں کر سکتا
قوت اور طاقت میں ایک معمولی درندہ اس پر غالب ہے ، پھر یہ سراپا احتیاج ہے ، مگر کائنات کی
کوئی چیز اسکی محتاج نہیں ، یہ عناصر اور مادیات کے بغیر پل بھر کے لئے زندہ نہیں رہ سکتا ، مگر اسکی پوری
نوع بھی مٹ جائے تو پانی ، ہوا ، آگ ، چاند ، سورج اور زمین کا کیا بگڑ سکتا ہے ، پھر اس پر کیا سرخاب
کے پر لگے ہوئے تھے کہ اسے پوری کائنات پر فضیلت دی گئی اور اسے اس عالم آب و گل میں اللہ
کا خلیفہ بنایا گیا اور تمام عالمین پر اسکو شرافت اور کرامت دی گئی ۔۔

موٹی سی بات ہے کہ اگر انسان کا مقصد پیدائش اور اس کا نقطۂ معراج صرف وہ ہوتا جو بیسویں
صدی نے سمجھ لیا ہے کہ انسان صرف چھوٹے پیمانہ پر "کھاد کی ایک مشین" بن کر رہ جائے ۔ حیوانات اور
درندے بھی اسکی درندگی اور اس کے اٹھائے ہوئے شر و فساد سے سر پیٹ لیں ۔ اسکی ہوسناکیوں
کو دیکھ کر شیطان بھی الاماں پکار اٹھے تو یہ چیز خدائے بزرگ و برتر کی حکمتوں اور اسکی شانِ عدل کے
خلاف ہوتی کہ "کھاد کی مشین" کو پوری کائنات اور اسکی بزرگ ترین مخلوق ملائکہ تک ایسی فضیلت دی
جائے اور سب کو اسکی بیگار میں لگا دیا جائے ، اگر ہماری طبیعت ایک غیر منصفانہ اور عقل و فہم
سے کوسوں دور کوئی فیصلہ گوارا نہیں کر سکتی ، تو خدائے حکیم و علیم جیسی غیور ذات کی غیرت کب اسے گوارا
کر سکتی تھی ۔؟ آفرینش آدم سے لیکر اب تک وہ ہمیں میثاق ازلی کا دیا ہوا سبق دہرا دہرا کر کہہ رہا ہے کہ

اس سارے ہنگامۂ ہا و ہو کا مقصد چند روزہ زندگی کی عیاشی کرنا، ڈبل روٹی کھانا، کلرکی کرنا اور خوشی و خرمستی میں بھول جانا نہیں بلکہ یہ ساری چیزیں تو ایک بلند و برتر مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور اصل منزل تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں، اصل مقصد تو دائمی سرخروئی اور ابدی زندگی کا حصول ہے۔ نفسانی خواہشات اور حیوانی تقاضوں کو کنٹرول کرکے انسانیت کی معراج تک پہنچنا ہے، آفاق اور انفس میں پھیلے ہوئے اس وسیع کارخانۂ قدرت کو اپنے خالق کی پہچان اور اس کے دئیے گئے وسائل اور قوتوں کو اسکی رضامندی کا ذریعہ بنانا ہے۔ اس مقصد کی پہچان اور اسے حاصل کرنے کی جدوجہد اسے صحیح معنوں میں انسان اور خلیفۃ اللہ بناتی ہے، اور وہ پیٹ کا نہیں بلکہ اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، وہ لاالٰہ الّا المادۃ والمعدۃ کا نہیں بلکہ لاالٰہ الا اللہ کا نعرہ لگاتا ہے، وہ اپنے بنی نوع انسان کو ذلیل و خوار اور اسے ہڑپ نہیں کرتا بلکہ اس کے غم اور رنج کو اپنا غم اور اسکی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتا ہے، وہ اپنے پیٹ کو کاٹ کر دوسروں کی حاجت روائی کرتا ہے وہ لوٹ کھسوٹ ظالمانہ استحصال اور طبقاتی نفرت کا نہیں بلکہ عدل و انصاف، ایثار و محبت کا پیکر مجسّم بن جاتا ہے اگر اس کے پڑوس میں کوئی بیمار ہے تو یہ کراہتا ہے، بھوکا ہو تو تڑپتا ہے، ننگا ہو تو کپکپاتا ہے، الغرض وہ شیطان اور درندوں کا نہیں بلکہ خدائے حی و قیوم کی شانِ عدل و کرم کا ایک چلتا پھرتا نمونہ بن جاتا ہے، اور اسی طرح وہ پوری انسانیت کو اللہ کے ایسے سایۂ رحمت میں ڈھانپ لیتا ہے، جہاں نہ خوف ہے نہ حزن نہ بے چینی اور نہ اضطراب نہ حرص و ہوس ہے اور نہ ظلم و بے انصافی نہ استحصال ہے نہ حقوقِ انسانی کی پائمالی اور نہ انسان کے دکھ درد سے غلط فائدہ اٹھانے کی سیاسی عیاریاں بلکہ ہر چیز اپنے مرکز اور اپنے نقطہ پر قائم اور چاروں طرف سکون ہی سکون ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ قائم کیا وہ اس دورِ عافیتؔ و اطمینان کا نقطۂ معراج تھا۔ اور انہوں نے قیامت تک انسانیت کی فلاح کیلئے یہی شاہراہ متعین کی۔

مگر پھر کیا ہوا ؟ اس عہدِ سعادت سے ہم جتنے دور ہوتے گئے، شر و فساد اپنی ظاہری رعنائیوں کے ساتھ ہم پر مسلط ہوتا گیا، مادہ پرستی اور نفس پروری کی نظر فریب روشنی سے آنکھیں چندیا گئیں ___ ہم مقصد و منزل کو جانے والے جادۂ حق سے ڈگمگانے لگے۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی میں مغرب اور اسکی خدابیزار تہذیب نے نہ صرف ہماری بلکہ پوری انسانیت کی گاڑی منزل تک پہنچنے والی پٹڑی سے اتاری، مقصدِ تخلیق کو فراموش کر دیا۔ ہم سیرت و اخلاق، روح اور ایمان کو بھول گئے اور مادیت کے سنہری جال میں پھنس کر کشاں کشاں ہلاکت اور بربادی کی طرف

دوڑنے لگے پرکار جب تک اپنے نقطہ پر بحال رہے تو سارے نقشے ٹھیک بنتے ہیں اور اگر بال برابر بھی مرکز سے ہٹ جائے تو سارے دائرے ٹیڑھے ہو جاتے ہیں۔ انسان نے انا الحیوان (میں ایک مہذب حیوان ہوں) کی صدا لگائی اپنے مرکز ثقل مقام انسانیت سے ہٹ گیا اور نتیجہ اس عظیم الشان بے چینی افراتفری اور تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا جو آج ہمارے سامنے ہے ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس۔ کی ایسی ہولناک تصویر اب تک تاریخ کے کسی دور میں ہمارے سامنے نہیں آسکی۔ مقصد کو بھول جانے والا مادیت کا پرستار انسان، پیٹ اور اسکی خواہشات کے سامنے کتنا مجبور و بے بس ہے، اسکی تصویر مغربی مادیت اور اس کے رد عمل میں رونما ہونے والے معاشی اور اخلاقی معاشرہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے، وہ کبھی اپنی تشنگی کی تسکین کی خاطر خوشحال اور آباد بستیوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے، کبھی اپنے ظلم و عدوان کیلئے نئی نئی آبادیاں ڈھونڈھتا ہے، اس جذبۂ حیوانیت نے صرف ایک جنگ عظیم میں ۲ کروڑ انسانوں کو ہلاک اور مجروح کروایا، ۱۵ کروڑ گھر تباہ ہوئے، ڈھائی کروڑ افراد اجڑ گئے، ہیروشیما اور ناگاساکی جہنم کدہ بن گئے، اسی خدا فراموشی نے کوریا کی معمولی دو سالہ جنگ میں پچاس لاکھ انسانوں کی ہلاکت اور ایک کروڑ افراد کے مجروح ہونے کی شکل اختیار کی، اس خود غرضانہ تمدن نے ہمیں انسانی رشتوں سے بے نیاز کر دیا ہم صلہ رحمی کو دقیانوسیت سمجھنے لگے۔ بڑے بوڑھوں اور اپاہجوں کو مروانے کی تجویزیں پیش کیں، یہاں تک کہ جگر کے ٹکڑوں معصوم بچوں کا گلہ فیملی پلاننگ اور برتھ کنٹرول جیسے خوشنما ناموں کے پردہ میں گھونٹنے لگے مادر پدر آزاد بننے کے بعد پورے معاشرہ کو آئین، قانون، اخلاق و روایات کی بندھنوں سے آزاد کرانے کیلئے "ہپی ازم" کا ایک پورا فلسفہ کھڑا کر دیا، ناتوان اور بے کس مخلوق عورتوں کو مساوات کے نام سے زندگی کی کھٹن جدوجہد میں جوت دیا۔ اخلاق اور شرافت کے نقوش خواہشات کی بھٹی میں پگھلنے لگے اور عفت و عصمت نام کی کوئی چیز بھی ایک گالی بن کر رہ گئی اور اس تہذیب کے صدقے جو جنسی پیاس پیدا ہوئی اسکی تسکین کیلئے کتوں اور خنزیروں سے بھی کام لینے میں بخل نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ ہم جنس پرستی کے حق میں اسی تہذیب کے اولین مرکز برطانیہ میں بھرے ایوان نے تالیوں کی گونج میں قرارداد منظور کی۔ بوڑھا اور اب گورعیار برطانیہ جاتے جاتے امریکہ کی شکل میں اپنا جو تنومند اور دیوہیکل حرامی بچہ چھوڑ گیا ہے وہ نئے جوش اور ولولہ سے بھرپور ہو کر اس جانشینی کا حق ادا کرنا چاہتا ہے اور آج کی خبر ہے ٹائم اخبار کے حوالہ سے کہ امریکہ کے ہم جنس پرست پورے زور شور سے منظم ہو کر اسے سرکاری طور پر جائز اور انسانی حق قرار دینا چاہتے ہیں۔ اور ایک اندازہ کے مطابق امریکہ کے ۲۶ لاکھ مرد

اور ۱۴ لاکھ عورتیں ہم جنس پرستی کے اس شوق کا قانونی مظاہرہ کروانا چاہتی ہیں، ہوسِ زر اور خواہشات نفس کے اس جذبہ نے لوٹ کھسوٹ جلبِ زر اور حصولِ دولت کی عجیب عجیب شکلیں اختیار کیں صنعتی اور مشینی دور شروع ہوا جس کے نتیجہ میں مٹھی بھر افراد رزق کے خزانوں پر قابض ہوئے اور انسانوں کی اکثریت اس مشینی دور کے صدقے بھوک افلاس اور بیماریوں سے کراہنے لگی۔ ایثار، اخلاص اور ہمدردی کی بجائے قومی، علاقائی، لسانی، طبقاتی اغراض معیارِ شرافت بن گئے اور جو بھی انسانوں کا جتنا خون پسینہ چوس سکا اُسے معاشرہ نے زیادہ عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا۔

یہ انسان کا ایک ظالمانہ غیر فطری اور غیر انسانی مظاہرہ تھا۔ پھر جب ہر غیر فطری عمل کا ردِ عمل بھی غیر فطری ظاہر کرانا قانونِ قدرت ہے، تو لازم تھا کہ اس کا ردِ عمل بھی اتنا ہی شدید اور سفاکانہ ظاہر ہو جائے نتیجہ بیسویں صدی کے آغاز ہی میں سوشلزم اور کمیونزم کی شکل میں ظاہر ہوا، جس نے انسانیت کے رہے سہے تمام اقدار اور اخلاق بھی تہس نہس کر دئے، مظلوم اور مجبور کی ہمدردی کے نام پر پوری انسانیت سے ہولی کھیلی گئی، غریب اور کسان کے نام سے تمام وسائل رزق پر چند غنڈوں نے پارٹی اور جماعت کی شکل میں قبضہ کیا، مساوات، اشتراکیت اور غریب پروری کے خوشنما پردوں میں انسانی فطرت، انسانی ضمیر، ابدی اقدار اور روحانی مقاصد روندے گئے، حقیقی مقصدِ حیات کی ذراسی جھلک بھی مذہب، تعلیم اور اخلاق کی شکل میں دکھائی دی، اس کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا، اور اس ساری جدوجہد کی اساس بھی مادیت اور تن پروری پر ہی رکھی گئی، ایسی مادیت جو نہ مذہب کی روادار تھی، نہ خدا اور نہ انسانی اقدار اور روایات کی —— یہ نئی مادیت بھی سوشلزم وغیرہ کی شکل میں انسان کو ایک "سنہری جنت" اور اسکی بھول بھلیوں میں ڈالدیتی ہے، اور روٹی کے چند ٹکڑوں اور چند ٹکوں کی خاطر انسان کے تمام اعلیٰ و ارفع مقاصدِ حیات خرید لیتی ہے، اور یہ ہے وہ "سرخ جنت" جسکی خاطر روس میں بالکل ابتدائی ایام میں کروڑوں افراد قتل، جلاوطن، مجروح اور عمر بھر زندہ درگور کر دئے گئے، اور چین میں ڈیڑھ کروڑ زمیندار پھانسی پر لٹکائے گئے، جبر و تشدد سے نہ کہ نظریہ کی صداقت کے زور سے، مزدور اور کسانوں کے نام پر "اشتراکیت" کا جو ہوا کھڑا کر دیا گیا، خود اسٹالن معترف ہے کہ ایک کروڑ تو صرف کسان مارے گئے، صرف یہی نہیں بلکہ سٹالین نے کمیونزم کے قیام کے لئے پانچ کروڑ مسلمانوں کو قتل کیا اور یہ تمام تشدد صرف مال چھیننے کے لئے نہیں تھا بلکہ ذاتی عقیدہ، دین، فطری آزادی، شخصی آزادی اور تمام اخلاقِ فاضلہ اس کے بھینٹ چڑھا دئے گئے۔ دین اور انسانیت کی اس قربان گاہ پر جو کتبہ نصب کئے

گئے، یہاں ہم ان میں سے صرف ایک کتبہ پیش کرتے ہیں جو مسلمانوں سے متعلق ہے اور چینی صدر ماوزے تنگ کے پیروؤں اور چینی لیڈروں کا ایک پیغام ہے جس کا متن یہ ہے :-

"اے مسلمانو! گوش ہوش سے سن لو آج کے بعد تمہیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ تم اپنے چہروں پر دین کا نقاب ڈال سکو ورنہ ہم تمہیں جلاوطن یا نیست ونابود کر دیں گے، آج کے بعد تمہیں گائے کی بجائے خنزیر کا گوشت کھانا پڑے گا، آج کے بعد تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ تم اپنے اوقات نماز میں ضائع کرو، قرآن کی تلاوت کرو۔ اے مسلمانو! پورے غور سے سنو تمہیں اپنی مساجد اور مدارس کو ڈھانا ہوگا اپنی اسلامی تعلیمات کو توڑنا ہوگا، نماز کو خیرباد اور ختنے سے اجتناب کرنا ہوگا۔

(اسلام اور کمیونزم صـ۹۷ بحوالہ چینی اخبار تن بات باؤ ہانگ کانگ)
۱۱ر نومبر ۱۹۶۷ء

یہ ہے وہ ردِّ عمل جو مغرب کے سامراجی نظام کا غیر فطری جواب تھا جس نے معاشی ترقی روک دی، شرفِ انسانیت توڑ دیا، انسانی اخوت اور تصوّر آخرت سے ہمیں محروم کر دیا، اس وقت دونوں نظاموں کا تجربہ ہمارے سامنے ہے ہم ایک چوراہے پر کھڑے ہیں اور ہمیں فیصلہ کرنا ہے، ہمارا اہم ترین مسئلہ صرف اقتصادی اور معاشی نہیں، ہمیں اپنے روحانی، علمی، اخلاقی اور دینی امراض کا بھی علاج کرنا ہے، بیشک معاشی عدم توازن فوری اصلاح طلب ہے مگر ہمارا معاشرہ، ہماری سیاست اور ہماری تہذیب جس انارکی اور انتشار کا شکار ہو رہے ہیں، اس کی وجہ صرف بھوک، فقر اور معاشی بدحالی نہیں کیونکہ خوشحال اور فارغ البال گھرانے اس انارکی اور خرابی کے زیادہ شکار ہیں۔ اگر یہاں کے گیارہ کروڑ انسانوں میں سے ہر شخص معاشی لحاظ سے قارون بھی بن جائے تب بھی اصل مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اصل مسئلہ وہی ہے جو ابتداء میں بیان ہوا کہ ہم ایک مادہ پرست قوم نہ بنیں، مسلمان بن جائیں، صرف جسم پیٹ اور صورت پر نظر نہ ہو، اخلاق، ایمان، اعمال صالحہ بھی ملحوظ رہیں، ہم یورپ اور سوشلسٹ ممالک کیطرح ایک خوشحال حیوان نہیں بلکہ زمین میں اللہ کا خلیفہ اور خیر امت، امت محمدیہ کا ایک حسین نمونہ بن جائیں اور یہ تب ہوگا کہ ہم اپنے مقام اپنے نظریہ اپنے مقصد حیات اور اپنے فرائض کو پہچان سکیں یہی ایک صورت ہے جو ہمیں معاشی مسائل سے بھی نجات دلاتی ہے اور معاشرتی خرابیوں سے بھی۔ اور اس سے نہ صرف ہمارا جسم اور پیٹ بلکہ روح اور ضمیر بھی عافیت اور سکون کی نعمت سے آسودہ ہو سکتا ہے، اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ کونسا راستہ اپنے لئے پسند کریں ہے!

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
۲ر نومبر ۱۹۶۹ء

ضبط وترتیب : ادارۃ الحق

رمضان المبارک

فضائل
برکات
حکمتیں

——— حضرت شیخ الحدیث کے غیر مطبوعہ خطبات جمعہ سے ترتیب دیا گیا

★

رحمتوں کی بارش کا مہینہ | قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھو شھر اولہ رحمۃ — واوسطہ مغفرۃ — وآخرہ عتق من النار۔ (الحدیث) — محترم بزرگو! جسطرح انسان کے بدن میں سر سے لیکر پاؤں تک مختلف اعضاء ہیں مگر سب اعضاء کا نہ ایک حکم ہے نہ ایک مرتبہ پاؤں کا الگ حکم ہے، ناخن کا الگ، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں الگ مقاصد رکھتی ہیں، دل اور آنکھوں کا الگ مقام ہے، الغرض انسان ایک ہے مگر اعضاء وجوارح میں فرق ہے، کھیت میں ایک ہی تخم اگتا ہے مگر پودے کے پتے الگ اور میوہ الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں جس میں ہر شخص فرق کرسکتا ہے کہ آنکھوں کا درجہ اور مقام ہاتھوں سے بلند اور دل کا مقام آنکھوں سے اونچا اور برتر ہے، اسی طرح سال کے بارہ مہینہ میں رمضان کا مقام اور درجہ بہت اونچا ہے۔ پھر رمضان میں آخری عشرہ (دس دن) تو درحقیقت ایسا ہے جیسے کہ رحمت خداوندی کی جھڑی لگ جائے، بارش کبھی بوندا باندی ہوتی ہے، کبھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اور کبھی تو لگاتار جھڑی لگ جاتی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں شدت آنے لگتی ہے اور جسطرح بارش سے سارا ملک سبزہ زار اور آباد ہوجاتا ہے۔ وجعلنا من الماء کل شیئ حی (اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندگی بخشی، اسی طرح رحمت باطنی کی بارش سے سوکھے اور مرجھائے ہوئے دل لہلہا اٹھتے ہیں اور معنوی زندگی مردہ دلوں کو نصیب ہوجاتی ہے، اور جسطرح پانی ایک بڑی رحمت اور نعمت ہے مگر جو قوم نعمت خداوندی کا شکر بجانہ لائے تو یہی نعمت اس کے لئے وبال بن جاتی ہے اور قوم نوح کی طرح وہ قوم اسی نعمت کے ذریعہ ہلاک کردی جاتی ہے، اسی طرح رمضان جو رحمت کی جھڑی کا موسم ہے، جو

شخص اس سے فائدہ نہ اٹھائے وہ عذاب خداوندی کا مورد بن کر رہ جاتا ہے اور رحمت کا یہی موسم اسکی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے، اسی لئے حضورؐ نے تین مرتبہ بد دعا دی اور فرمایا کہ ایسا شخص بہت بدقسمت ہے جس پر رمضان آکر گزر گیا، اور یہ خدا کی رحمت سے محروم رہا، اور بخشش و مغفرت کا اپنے آپ کو مستحق نہ بنایا فرمایا ایسے شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے گی۔ پھر جتنا بھی رمضان کا مہینہ گذرتا جاتا ہے، اس رحمت کے نزول میں اضافہ اور ترقی ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ آخری راتیں تو اس رحمت کے پورے جوش کی ہوتی ہیں رمضان کا سارا مہینہ دھیمی دھیمی بارش ہوتی ہے، اور آخری دنوں میں رحمت میں جوش اور تلاطم پیدا ہو کر رحمت کی جھڑی لگ جاتی ہے --- تو رمضان خدا کی رحمت معنوی کا موسم ہے، گھر بار بیٹھے بیٹھے رحمت برستی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: اس کا پہلا عشرہ (دہائی) رحمت ہے، رحمت خداوندی کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا عشرہ مغفرت ہے، اس میں گنہگاروں کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں، اور آخری عشرہ تو جہنم کی آگ سے خلاصی کے دن ہیں۔ وآخرہ عتق من النار۔ اس میں دوزخ کے مستحق آگ سے بچائے جاتے ہیں، اسکی مثال ایسی ہے کہ ایک کپڑا یا بدن میلا ہو تو معمولی گرد وغبار تو ذرا سے پانی سے چلا جاتا ہے، لیکن اگر قدرے سخت ہو تو پہلی دفعہ پانی ڈالنے سے میل کچیل نرم ہو جاتا ہے لیکن اسے زیادہ ملنے اور رگڑنے کی ضرورت ہوتی ہے، دوبارہ پانی ڈال دیا تو صاف ہوا، اور اگر میل کچیل زیادہ سخت ہو تو صابن اور گرم پانی میں جوش دینے اور پتھروں پر اسے مارنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس طرح لوہا ہے وہ زنگ آلود ہو جاتا ہے تو لوہار اسے بھٹی میں ڈالتا ہے، سندان سے مارتا ہے کہ زنگ چلا جائے ٹھنڈا ہونے پر اسے دیکھتا ہے، صاف نہ ہوا ہو تو اسے زیادہ گرمی اور حرارت کی ضرورت ہوتی ہے، بار بار اسے آگ میں ڈھالتا اور مارتا ہے، اور اگر بالکل مایوس ہو جائے کہ سارا زنگ آلود ہو چکا ہے تو اسے بے کار سمجھ کر بھٹی ہی میں چھوڑ دیتا ہے کہ جلتا رہے، کیونکہ یہ اب کسی کام کا نہیں رہا۔

پس جو پاکباز ہیں ان کے قلوب تو پہلے ہی عشرہ میں شفاف ہو جاتے ہیں، اور جو پاکباز نہ تھے اور گنہگار تھے، دوسرے عشرہ میں ان کے قلوب رحمت و مغفرت سے تر و تازہ ہوئے، اور جو دل کوئلہ کی طرح جل گئے تھے پورے زنگ آلود تھے، گناہوں کی وجہ سے دل چھان چھان ہو گیا ہے، تو اگر ایسے لوگ بھی سدھر جائیں، اللہ کی رحمت کے طلب گار بن جائیں، استغفار اور توبہ کریں تو رمضان کے آخری ایام ان کے لئے بھی عتق من النار (جہنم سے نجات) کا سبب ہیں، بشرطیکہ بندہ ذرا سی توجہ اور طلب ظاہر کر دے۔ اور دنیا کی حکومتیں بھی ایسا کرتی ہیں، اعلان ہوتا ہے کہ فلاں دن یوم آزادی ہے اس دن دس سالہ قیدیوں کو رہا کیا جائے گا اور کبھی جب بہت بڑی خوشی کا دن ہوتا ہے تو پھانسی کے

مستحق اور عمر قید پانے والوں کو بھی درخواست کی صورت میں نجات کا پروانہ مل جاتا ہے۔

——— تو بھائیو! واللہ العظیم ایسی گھڑی کا مہینہ پھر ملے یا نہ ملے اس سے فائدہ اٹھاؤ، کچھ کاشت کر لو، آخرت کیلئے کچھ کما لو، اگر کسی کاشتکار نے بارش سے فائدہ اٹھایا، زمین پر محنت کی تو اسکی محنت بارآور ہوگی، اور جو غافل رہا تو اس کو سوائے محرومی اور افسوس کے کیا ملے گا، اور اگر کسی نے پہلے سے تیاری کی ہو، زمین صاف کی ہو اور تخم بو لیا ہو تو ایسے زمیندار کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے، کہ اب تو انشاء اللہ محنت ٹھکانے لگ جائے گی۔ پس ان ایام میں آخرت کیلئے کچھ بو لو۔

حضورؐ نے فرمایا: الدنیا مزرعۃ الآخرۃ۔ دنیا آخرت کے لئے کھیتی ہے اتم بھی اس موسم سے فائدہ اٹھاؤ جس میں نفل نیکی فرض اور ایک نیکی ستر نیکیوں کے برابر ہے۔ پھر آجکل تو ٹھیکیوں کا زمانہ ہے، نفع کے لئے رشوت دی جاتی ہے۔ پوری قوم اس لعنت میں ڈوبی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس گناہ سے بچائے ———

——— تو اللہ تعالیٰ اس موسم میں بغیر رشوت کے ستر گنا نفع دیتا ہے اور پھر دنیا کے ٹھیکیدار اگر سو میل سڑک بنادیں، اور اس میں دو ایک میل بھی خراب ہو تو مالک سارے کا سارا کام مسترد کر دیتا ہے مگر اللہ وہ ذات ہے کہ اگر ایک سو میل بنائی ہوئی سڑک خراب ہے مگر دو ایک میل اس میں ٹھیک ہے تو وہ سب کو قبول کر دیتا ہے کہ صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر واپس آجائے تو اسے بھولا نہیں کہا جاتا۔ اگر مہینہ بھر رمضان کی قدر وقیمت نہ ہوئی، پچیس روزوں کو ضائع کر دیا اور آخری پانچ دنوں میں بھی سنبھل گیا، رویا، استغفار کیا تو اس صورت میں بھی اللہ کی رحمت جوش میں آجاتی ہے اور سب کچھ بخش کر اسے پورے رمضان کی برکتوں سے نواز دیتا ہے ——— افسوس اور حسرت ہے اس بدقسمت پر جو ایسی سردی کے موسم میں بھی روزے نہ رکھ سکا، وہ کس طرح قہر خداوندی سے بچ سکے گا۔ یہ زنگ آلود لوہا ہے جو بھٹی میں چھوڑ دیا جائے گا۔ یا یوں کہئے کہ ایسی شوریدہ زمین ہے جس کی سرسبزی کی کوئی امید نہیں ———

(۲۷ رمضان المبارک، ۱۳۸۰ھ خطبۂ جمعہ)

رمضان ——— اللہ کی رحمتوں کا پیغام | محترم بزرگو! رمضان شریف کا مہینہ خوش قسمت لوگوں کیلئے رحمتوں اور مغفرت و بخشش کا پیغام تھا، اس پیغام کے مطابق جس نے مغفرت خداوندی حاصل کرنے کی سعی کی، اللہ تعالیٰ نے اسے کامیاب کر دیا، اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل

قسمت یاوری نہ کرے۔ تو پیر اور استاد بہت کامل ہو تو کیا ہوتا ہے ———

کہ ـــــ ع
خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

بدنصیب دریا کے کنارے سے بھی پیاسا آجاتا ہے ، مسجد میں بیٹھ کر بھی نماز نہیں پڑھتا ایسی سخت سردیوں میں بھی روزہ نہیں رکھتا ، ایسے شخص کا تو سب کچھ لٹ گیا ـــــ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں ایمان اور علم کی دولت تقسیم ہوتی رہی اور آج چودہ سو برس بعد بھی خشک قوم کے ان خشک اور ویران پہاڑوں میں بھی لا الہ الا اللہ کی آواز بلند ہوتی ہے ، یہ وہی آواز ہے جو حضورؐ نے بلند کی مگر جو بدقسمت تھا ، ابوجہل اور ابولہب حضورؐ کے گھر کی دیوار اور دروازے سے ملے ہوئے ہیں مگر محروم ہیں ، ابولہب حضورؐ کے چچا ہیں ایک گھر ہے ، بیچ میں چھوٹی سی دیوار حائل ہے حضورؐ ایک مرتبہ بوجہ علالت تہجد کے لئے نہ اٹھ سکے تو ابولہب کی بیوی نے کہا کہ اب ان کا شیطان ان سے روٹھ گیا اس لئے وہ آج نہیں اٹھے ـــــ رحمت کا سمندر بہتا رہا مگر بدقسمت محروم رہے ـــــ یہ کسی کی عقل اور سمجھ پر نہیں ، علم اور قوت سے نہیں ، اللہ کی رحمت اور اسکے کرم سے ہی ہوتا ہے ، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہماری حالت بہتر بنا دے اور خاتمہ ایمان پر ہو ـــــ

رمضان جیسا رحمتوں کا موج مارنے والا مہینہ آیا اور بد نادم نہ ہوا اسکی آنکھوں سے آنسو نہ بہے اس کا دل سخت ہے تو یہ علامت ہے شقاوت کی ، شقاوت کی دوسری علامت یہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے منصوبے بناتا ہے ، باغ لگاؤں گا ، بنگلہ ، زمین ، ٹھیکہ ، وزارت اور صدارت کے منصوبے بناتا ہے اس ادھیڑ بن میں رہتا ہے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام آکر ایسے گردن سے پکڑ لیتے ہیں ، تیسری علامت بدبختی کی یہ ہے کہ اسکی حرص دن بدن بڑھنے لگ جاتی ہے ـــــ دنیا کی حرص اور محبت نے ہی ہمیں تباہ کر دیا اور یہ دو چیزیں بہت خطرناک ہیں ـــــ

بہر تقدیر رمضان کے جتنے دن باقی ہیں انہیں غنیمت سمجھ لو ، اب بھی موقع ہے جب قیامت کے دن محروم اور غافل لوگ غم کے مارے اپنی انگلیاں کاٹیں گے ۔ یوم یعض الظالم علی یدیہ ۔ تو روزہ دار قیامت کے دن عرش خداوندی کے سایہ میں اسکی نعمت سے مالا مال ہوگا اور حسرت کرنے والوں کو اس حسرت و ارمان کا کوئی فائدہ نہیں ملے گا ، قیامت کے دن ہر شخص کو حسرت ہوگی ، افسوس ہوگا کہ دنیا کی زندگی سے آخرت کیلئے کیوں زیادہ فائدہ نہ اٹھایا ، اس لئے قیامت کو یوم الحسرۃ کہا گیا ہے ، گنہگار اور مجرم حسرت کریں گے کہ اے کاش ! پیغمبر کے راستہ پر کیوں نہ چلے ، فرنگی کا راستہ کیوں اختیار کیا ۔ مگر نیکوکاروں کو بھی حسرت ہوگی کہ زیادہ نوافل زیادہ تلاوت اور زیادہ ختم قرآن کیوں نہ کئے ۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ رمضان میں ۶۱ ختم پورے کرتے ۔

(۱۹ رمضان المبارک ، ۱۳۸۷ھ خطبہ جمعہ)

عشرۂ آخرہ اور سحری کا وقت | آخری دس دنوں میں خصوصیت سے دو چیزوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے جن میں ایک اعتکاف ہے جو اختیاری ہے اور ایک لیلۃ القدر ہے جس کی طلب اور تلاش کرنا ہے، اور طالب کا حکم بھی کسی چیز کے حاصل کرنے والے جیسا ہے کہ یہ بھی اللہ کے ان پانے والوں کے زمرہ میں شمار ہوگا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ ہوتی کہ:

کان یوقظ اھلہ فی العشر الاواخر	حضور اس عشرہ آخیرہ میں اپنے اہل وعیال کو
من رمضان وکل صغیر و کبیر	جگاتے تھے اور ہر بڑے چھوٹے کو بھی جو
یطیق الصلوٰۃ۔۔ (او کما قال)	نماز پڑھنے کے قابل ہوتے۔

گویا سات آٹھ سال عمر کے بچوں کو بھی حضور تہجد اور نماز کے لئے جگاتے ——

ہم سب سحری کیلئے جاگتے ہیں، بچوں کو کھلانے پلانے کیلئے جگاتے ہیں، مگر شیطان ہمیں تہجد پڑھنے نہیں دیتا، ایسا قیمتی وقت بے پرواہی میں کھو دیتے ہیں، اگر ہم خود بھی دو رکعت پڑھ لیں اور بچوں کو بھی وضو کرائیں اور دو رکعت ان سے پڑھا لیں کہ عادت بن جائے تو کتنی بڑی خوش بختی ہوگی، اللہ اور بندہ کے درمیان سارے حجابات اس وقت اٹھا دئے جاتے ہیں مگر ہم کھانے پینے اور ہنسی مذاق میں سارا وقت ضائع کر دیتے ہیں، کھانا پینا تو چند منٹ کا کام ہے، چند لقمے لے لو اور اس سنہری وقت سے فائدہ اٹھاؤ۔ حضورؐ کی حالت تو یہ تھی کہ: وشد مئزرۃ۔ گویا کمربستہ ہو جاتے تھے اور یہ ایک محاورہ ہے کہ کسی کام کے لئے کمر باندھ لی تو حضورؐ تو سال بھر عبادت کے لئے مستعد رہتے مگر ان دنوں تو بالکل جہاد جیسی حالت ہو جاتی —— چاہیے کہ ان دنوں ہم بھی خاص طور سے اہل وعیال کو دین کیطرف راغب کریں۔ کھانا پینا اور سونا بھی جائز ہے مگر اہم مقصد رغبتِ دین پیدا کرنا ہے۔

اعتکاف | حضورؐ ان ایام میں اعتکاف فرماتے۔ وکان یعتکف فی العشر الاواخر من رمضان۔ اعتکاف کا معنی کسی چیز کو بند کرنا باندھ لینا اپنے آپ کو مقید اور محبوس کر لینا ہے، اپنی درخواست عاجزانہ شکل میں منوانے کے لئے کسی کے در پر پڑ جانا کہ بارش ہو، دھوپ ہو، گرمی سردی ہو تیرے در کا غلام ہوں اس در پر پڑا رہوں گا جب تک میری درخواست قبول نہ ہو۔ نہ گھر جاؤں گا نہ اور کوئی دنیا کا کام کروں گا، روتا ہے گڑگڑاتا ہے، اٹھتا نہیں، دھرنا مار لیتا ہے —— تو ایسی صورت میں تو سنگدل سے سنگدل حاکم بھی اس کی حاجت پوری کر دیتا ہے تو یہاں تو اللہ جیسے رحیم و کریم آقا سے معاملہ ہے اور رمضان جیسا بابرکت مہینہ ہے کہ ہر رات اللہ کیطرف سے مجرموں کو

بخشش کے لئے پکارا جاتا ہے کہ اے مجرموں ذرا توجہ کرو کہ معاف کردوں، بخشدوں۔
ذرا سا بہانہ بھی مغفرت کا بن جائے تو بخش دیتا ہے۔ ہر رات اس کی آواز ہوتی ہے کہ اے خیر کے طلب کرنے والو ذرا تو آگے بڑھو اور کچھ تو دستِ طلب بڑھاؤ۔ گناہوں سے توبہ کرو، دل سے روؤ، اگر آنکھوں میں نمی آجائے کہ یا اللہ رمضان کی حرمت سے مجھے معاف کردے تو وہ بخش دے گا۔ وہ تو رمضان کی ہر رات دس لاکھ مجرم بخشتا ہے، اور آخری رات تو مہینہ بھر کے مجرموں کے برابر ــــ تو جو اللہ کا بندہ گھر بار جائداد دوکان، سامان، بیوی، بچے سب کچھ چھوڑ کر مسجد میں قیدی کی طرح اعتکاف کی شکل میں مقید ہو گیا، تو اسکی بخشش کیسے نہ ہوگی ــــ ؟

اعتکاف یہ ہے کہ ایک شخص پنجگانہ جماعت والی مسجد میں بیسویں رمضان کی شام کو بیٹھ جائے اگر عورت ہو تو گھر میں نماز کے لئے جو کونہ مختص ہو اس میں بیٹھ جائے، سوائے حاجاتِ انسانی کے اپنی اس قیامگاہ سے نہ نکلے، اکثر وقت ذکر و اذکار، تلاوت، نوافل اور نماز میں گذرے۔ یہ اعتکاف فرض کفایہ کیطرح سنت کفایہ ہے، اگر محلہ یا گاؤں میں کسی نے بھی نہ کیا تو سارا گاؤں یا محلہ تارکِ سنت ہوا، اور کسی نے ادا کیا تو خود بھی اجر و ثواب کا مستحق بنا اور سارے محلہ کو بھی گناہ سے بچا کر احسان کیا۔
افسوس کہ ہم نے اعتکاف جیسی سنت کو عدیم الفرصتی کا بہانہ بنا کر ترک کر دیا ــــ لیکن کتنے لوگوں کو ہم نے دفنایا، اس وقت مردہ کو دیکھ کر ذرا تو سوچ لو کہ "بابا کہاں جا رہے ہو، تمہیں تو فرصت نہ تھی، اب تو ہزاروں سال پڑے رہوگے۔ اب بھی فرصت ہے یا نہیں ــــ ؟ یہ سب قبروں والے بڑے مصروف تھے، کوئی کام نہیں چھوڑ سکتے تھے، مگر اب ان کی کیا حالت ہے۔

ــــ تو نہ دنیا ہماری وجہ سے آباد ہے نہ ویران ہے ــــ بھائیو! قبر میں اکیلے خدا کے ساتھ معاملہ ہوگا، نئی دوستی تو اس وقت قائم نہیں ہوسکتی اور دنیا میں قائم نہ کی تو ہکا بکا رہ جائے گا کہ یا رب اب کیا کروں ــــ ؟ تو معتکف سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مسجد کے کونہ میں بیٹھ گیا، تو گویا قبر کی زندگی دنیا میں اختیار کی، محبت اور رابطہ اللہ سے قائم کیا، نہ مکان نہ دوکان نہ زمینداری کی فکر نہ دوست احباب کی۔ تو بعد از مرگ اللہ سے ایسی الفت اور ربط کام آئے گا ــــ پھر اعتکاف کی فضیلت اتنی ہے کہ حدیث میں اس کا اجر دو حج اور دو عمروں کے برابر فرمایا گیا ہے۔ قانونی حج تو ہر مسلمان مستطیع پر فرض ہے مگر اسے اس عمل سے دو حج اور دو عمروں کا ثواب مل گیا۔

لیلۃ القدر | دوسری چیز آخری دس دنوں میں ہر رات خاص ذوق شوق سے عبادت کرنا ہے۔ جس میں لیلۃ القدر کا احتمال ہے۔ جو تاک راتوں (۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹) میں زیادہ محتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے خیرٌ من الف شھر کہا ہے۔ ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے، پھر "خیر" کی بھی کوئی حد نہیں، گویا بے حد اور بے حساب بہتر ہے، اسی سال کی عبادت پر بھاری ہے، اور ان دس دنوں کے علاوہ رمضان کی ساری راتوں میں بھی لیلۃ القدر کا احتمال ہے۔ اگر کوئی اتنا باہمت نہ ہو کہ ہر رات شب بیداری میں گذارے تو حضورؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے مغرب وعشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو لیلۃ القدر کا ایک حصہ اس نے بھی پالیا، تو ان ایام میں تو یہ لازم کر لو کہ نماز باجماعت چھوٹنے نہ پائے۔ مغرب کی اذان اور افطار کے بعد نماز گھر میں نہیں پڑھنی چاہیئے۔ حضورؐ نے فرمایا: لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد۔ (مسجد کے پڑوسی کا فرض نماز صرف مسجد ہی میں ہوتا ہے) امام کیلئے بھی چاہیئے کہ رمضان میں اذان کے بعد قدرے توقف کرے اور مقتدیوں پر مسجد پہنچنا لازم ہے، الغرض یہ دو چار گھنٹے بھی رات ہی کا حصہ ہیں۔ تو خاص دعاؤں کا لحاظ رکھا جائے۔ رمضان میں تیسری چیز تہجدؔ کو ملحوظ رکھنا ہے جس کا خاص اہتمام ہونا چاہیئے اگر گالی گلوچ اور دیگر منہیات میں مشغول رہیں تو یہ روزہ کی ایک بدبودار لاش ہوگی، چاہیئے کہ اس میں لعلکم تتقون تقویٰ اور پرہیزگاری کی روح آجائے، صبح سے شام تک زبان کو قابو میں رکھو، برائی، حسد، بغض، کینہ، عناد ترک کر دو۔ کسی کا حق نہ مارو، اپنی نظریں نیچی رکھو، اپنے کانوں کو فلمی گانوں سے قطعاً بچاتے رہو، اس لئے کہ نامحرم عورتوں کی آواز سننا حرام ہے، اپنے اعضاء وجوارح کو گناہوں سے بچاتے رہو جتنا بھی ہو سکے تقویٰ اور پرہیزگاری کا جذبہ پیدا کرو، یہی روزہ کامیاب ہوگا جس پر اجر وثواب بھی مرتب ہوگا ——

قرآن اور تراویح تراویح میں کم از کم ایک دفعہ ختم کرنا سنت ہے۔ اب تک مسلمانوں میں حضورؐ کی یہ سنت رائج ہے اور اس کا مقصد قرآن مجید کا سننا سنانا اور اس پر عمل کرانا ہے جسے خدا زیادہ ہمت دے تو اور بھی بڑی نعمت ہے، مگر اسے ہماری کمی کہئے کہ شیطان پہلے تو نیکی کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہے، اور اگر شروع کر دیں تو جلدی اور عجلت کراتا ہے کہ جلدی جلدی ھٹو کر لگاؤ یا جیسا کہ مرغی ٹھونگا لگاتی ہے اور ہمیں تلاش ہوتی ہے ایسے حافظ کی جو پندرہ بیس منٹ میں ساری تراویح پڑھا دے، جتنا بھی خیبر میل گاڑی کی طرح تیز دوڑ سکے وہی اچھا حافظ ہے، گویا تیز رفتاری اور ترقی کا زمانہ ہے ہم تراویح میں کیوں تیز رفتار نہ بنیں، تو بھائیو! یہ بہت غلط بات ہے۔ تراویح میں جتنا زیادہ وقت لگ جائے موجب اجر ہے اور جتنا بھی صحیح تلفظ ہو، حروف کی تصحیح ہو کہ مقتدی کی سمجھ میں آسکے اتنا ہی اجر زیادہ ملے گا، شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے اپنی نیکی برباد نہ کرو، شیطان کبھی یہ روڑا

اٹکاتا ہے ، منکرین حدیث وغیرہ کے ذریعہ کہ بغیر مطلب سمجھے ہوئے تلاوت اور اس کے سننے کا کیا فائدہ ، اللہ تعالیٰ نے تو قرآن کریم نازل اس لئے کیا کہ ہم اسے پڑھیں ، حفاظ سے سنیں اور اسکو سیکھ کر اس پر عمل کریں۔

موجودہ تعلیم | حضورؐ نے فرمایا جس پیٹ ، جس دماغ اور جس روح میں قرآن نہ ہو تو وہ پیپ اور خون سے بھرا ہوا اچھا ہے۔ فلمی گانوں اور اشعار سے تو دماغ بھرا ہو قسم قسم کے اشعار اور گانے کیا مرد اور کیا عورتیں حیوانات کی بولیاں اور نقلیں تو چھوٹے چھوٹے بچوں کو یاد ہوں اور اس میں اتنا انہماک اتنا توغل اور ذوق و شوق ہو کہ شعر خواہ مہمل الفاظ کا کیوں نہ ہو بڑے چھوٹوں کو یاد ہوں اور قرآن کے تلفظ تک سے محروم رہیں اور پہلے تو کچھ نہ کچھ تھا ، اب تو بدقسمتی سے سب کچھ چلا گیا ، کاش ہم سمجھتے کہ اس قوم کی ترقی اور صحیح تعلیم و تربیت دین ہی سے ہو سکتی ہے ، اگر موجودہ تعلیم سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا تو واللہ اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کیا بات ہوتی مگر یہ تعلیم تو دین کے لئے نہیں بلکہ عیسائیت قادیانیت اور پرویزیت کے لئے ہے ، اس لئے نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا کلام سیکھیں بلکہ دین کی جڑیں کیسے کاٹیں گے ، سرخ گورا کیسے بنیں گے ، کھڑے ہو کر پیشاب کیسے کریں گے ، کوٹ پتلون کیسے پہنیں گے۔ یہ تعلیم تعلیم کی جو رٹ لگائی جا رہی ہے اس کی تہ میں گورا اور فرنگی بیٹھا ہوا ہے ، اس تعلیم نے مرد اور عورتوں کو ننگا کر دیا ، سڑکوں اور محفلوں میں نچوایا ، یہ بے حیائی ثمرہ تھا اس تعلیم کا ، کیا اس تعلیم پر ہم خوش ہوں گے ۔؟ اس پر تو ہم روتے ہیں اور جب روتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ ملّا ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے ـــــ ارے ظالمو ! زنا کرنا ہے تو خود کرو ، اپنی بہن بیٹی کو نچواؤ ، پوری قوم اور پوری رعایا کو کیوں زانی اور ڈانسر بناتے ہو ، اگر یہ تعلیم دین اور اچھے اخلاق کیلئے ہوتی تو کونسا مسلمان اس پر خوش نہ ہوتا ، مگر یہ تعلیم تو ڈانس کے لئے ہے ، اوپر جاؤ تو انگریز اور میم بنو ، رقص و سرود اور عیاشی سیکھو۔ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ چھوٹی چھوٹی بچیاں سکول سے آکر بجائے اللہ اور اس کے دین کی بات کے بلی کتا کی رٹ لگاتی ہیں اور جب بڑی ہوتی ہیں تو مشترکہ ڈانس اور کلچر سکھایا جاتا ہے اس صورت میں قرآن کی تعلیم اور پڑھنے پڑھانے اور سننے کی کیا صورت ہو۔

روزے کا مقصد روزہ اور قرآن | رمضان کے تیس دن ہماری ٹریننگ اور عملی تربیت کے دن ہیں ، جسطرح فوجی تربیت ہوا کرتی ہے ، اسے لڑائی کیلئے جنگلوں اور میدانوں میں رکھا جاتا ہے ، بھوک اور پیاس کی عادت ڈالی جاتی ہے اسطرح جب رات کو ہم نے پارہ سوا پارہ قرآن مجید سن لیا جس میں کچھ اوامر ہیں کچھ نواہی ہیں تو اب ہم دن کو اپنی خواہش اور ھویٰ کو اپنے قابو میں رکھیں گے ، خدا کے حکم کے

مقابلہ میں اپنی خواہش کے پیچھے نہیں جائیں گے بلکہ اسکی عملاً تعمیل کریں گے۔ خدا کا حکم ہے کہ مت کھاؤ، مت پیو، جی چاہے گا مگر ہم رک جائیں گے، دن بھر رات کی تراویح کا سبق دہرایا جارہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ عمر بھر اللہ کے احکام کی اس طرح تعمیل کرنی ہے جیسے رمضان میں اور قرآن کریم پر اسی طرح عمل پیرا ہونا ہے، اس لئے قرآن مجید اور رمضان کا باہمی گہرا تعلق ہے۔ اسی مہینہ قرآن اتارا گیا اور اسی مہینہ ہر سال دہرایا جاتا رہا۔ اور یہ سننا صرف سننا نہ ہو بلکہ ایک ایک مسئلہ کو سننا اور اس پر عمل کر کے دکھانا ہے ___ صحابہؓ نے ایسا کر دکھایا۔ مثلاً اسلام کا ایک مسئلہ ہے کہ اپنی ذات کے لئے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، حضرت عثمانؓ حضورؐ کے داماد ذی النورین ہیں، خلیفہ ثالث ہیں، ساری اسلامی سلطنت پر حکومت ہے، دشمنوں نے محاصرہ کیا، فوج، پولیس اور ذاتی غلام بیشمار موجود ہیں، ایک اشارہ ہو جاتا یا کم از کم لوگوں کو روکتے نہ تو دشمن کا منٹوں میں صفایا ہو جاتا مگر آخر تک لوگوں کو باغیوں پر اسلحہ اٹھانے سے منع کیا کہ اپنی ذات کے لئے اور حکومت قائم رکھنے کے لئے کسی کا خون نہیں بہاؤں گا، گھر کے گرد اپنے ذاتی غلام ہیں، انہیں یہ کہہ آزادی کا موقع دیا کہ جس نے اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دیا وہ آزاد ہو گیا اور حکم دیا کہ میرے مخالفین پر تلوار نہ اٹھائی جائے، یہاں تک کہ شہادت سے سرفراز ہوئے، مگر قرآن کی تعلیم انما المومنون اخوۃ پر عمل پیرا رہے کہ ذاتی وقار کے لئے کسی کو ایذا نہیں پہنچاؤں گا ___ الغرض رمضان میں ہم سب طالب العلم ہیں، جتنا بھی قرآن رات کو سنتے ہیں اس کا خلاصہ اور اجمال یہی ہے کہ خدا کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ روزہ اسکی عملی تربیت ہے روزے کی روح جس کے بغیر روزہ بے روح لاش رہ جاتا ہے۔ انسان کی صورت اچھی ہو بڑی شان و شوکت والا ہو مگر جب روح نہ ہو تو مسلمان اسے دفن اور ہندو اسے جلا دیتے ہیں، یا دریا میں پھینک دیتے ہیں، کیونکہ روح نہیں تو انسان بھی نہیں۔ اگر اس بلا روح لاشے کو ہم رکھیں گے تو تعفن اور بدبو پھیلے گی۔ اسی طرح یاد رکھئے کہ اعمال کی بھی ایک روح ہے اور ایک صورت ___ تو صورت صبح صادق سے مغرب تک تین چیزوں سے پرہیز کا نام ہے، اور اسکی روح یہ ہے کہ ہم میں تقویٰ کی صلاحیت پیدا ہو۔ روزہ جہاد کی عملی تیاری ہے، بھوکوں پیاسوں کی مدد کرنے کا احساس روزہ دلاتا ہے۔ روزہ ہمیں حرام سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ روزہ ضبط نفس کا سبق دیتا ہے۔ ___ اللہ تعالیٰ ہمیں برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کے قریب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

★

ادارہ

عہدِ رسالت میں رمضان کی کیفیتیں

جب حضورؐ کی فیاضی نسیم کی طرح عام ہو جاتی ہے
اور مدینہ طیبہ میں بہار آجاتی ہے

رمضان کا مہینہ مدینہ طیبہ کی زندگی کا اہم ترین مہینہ تھا۔ شعبان کا چاند طلوع ہوتے ہی مدینے کے مسلمان اس بابرکت مہینے کے انتظار میں نگاہ و دل بچھا دیتے، ایک ایک دن گنتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا شعبان کے دنوں کو شمار کرتے رہو۔ ۲۹ر شعبان کو نگاہیں مغربی افق پر جم جاتیں، ابر ہوتا تو ۳۰ دن پورے کرتے، اگر کوئی آکر کہتا کہ اس نے چاند دیکھا ہے، تو باضابطہ شہادت لی جاتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔؟" وہ کہتا: "جی ہاں! میں گواہی دیتا ہوں۔" پھر حضورؐ فرماتے: "کیا تم اقرار کرتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔؟" جواب میں وہ اقرار کرتا حضورؐ حضرت بلالؓ سے فرماتے: "بلال لوگوں کو خبر دے دو کہ کل سے روزہ رکھیں۔"

چاند طلوع ہوتے ہی گویا مدینہ طیبہ اور دوسری اسلامی بستیوں میں بہار آجاتی، ذکر و عبادت کے پھول کھلنے لگتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ بیت کو حکم دیتے کہ وہ عبادت پر کمربستہ ہو جائیں حضورؐ کی فیاضی موجِ نسیم کی طرح عام ہو جاتی۔ گھروں میں قرآنِ کریم کے زمزمے گونج اٹھتے۔ مسجدِ نبوی تراویح پڑھنے والوں سے بھر جاتی، ہر شخص فرداً فرداً تراویح پڑھتا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، دیکھا لوگ نوافل پڑھنے میں مصروف، حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور مصلیٰ پر کھڑے ہو گئے صحابہؓ نے صفیں بنالیں، پہلی رات نمازِ تراویح باجماعت پڑھی گئی۔ دوسری رات بھی حضورؐ نے تراویح پڑھائی تیسری رات مسجد اس طرح بھر گئی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ صحابہؓ منتظر بیٹھے رہے کہ حضورؐ حجرۂ مبارک سے برآمد ہوتے ہیں اور نماز پڑھاتے ہیں، انتظار طویل ہوتا گیا، رات بھیگتی چلی گئی، آخر خاصی رات گئے حضورؐ تشریف لائے، فرمایا: "مجھے علم تھا کہ آپ لوگ میرے منتظر ہیں، مگر میں اس لئے نماز پڑھانے نہ آیا

کہ کہیں تمہارے اس ذوق وشوق کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نمازِ تراویح کو فرض نہ کر دے۔"

سحری کے وقت لوگوں کو جگانے کے لئے حضرت عبداللہ ابن ام کلثومؓ اذان دیتے، ساری بستی جاگ اٹھتی۔ صبح کی سپید دھاری مشرقی افق پر نمودار ہوتی، تو حضرت بلالؓ اذان دیتے۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ سحری کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ نمازِ صبح ادا کرنے کے لئے اللہ کی رضا کے متلاشی جوق در جوق مسجد کی طرف چل کھڑے ہوتے۔

نماز کے بعد اپنے اپنے کام میں لگ جاتے، دوپہر کے وقت آرام کرتے، پچھلا پہر قرآن کریم کی تلاوت میں گذارتے، پھر افطار کی تیاری شروع ہو جاتی، صحابہ کرامؓ سیدھی سادی زندگی کے خوگر تھے، اکثر معاشی اعتبار سے کمزور ہونے کے باوجود بڑے فیاض تھے، ایک دوسرے کے ہاں ہدیئے بھیجتے، افطاری کی دعوتیں دیتے، افطاری کرانے کو گھر میں کچھ نہ ہوتا، تو پانی ہی پیش کر دیتے۔

مدینہ طیبہ کے مسلمان روزہ رکھنے میں کبھی سہل انگاری سے کام نہ لیتے، موسم چاہے کتنا ہی سخت ہوتا، روزے ضرور رکھتے، کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو پانی ہی پی کر روزہ رکھ لیتے، کسی غلطی سے کوئی شخص روزہ توڑ بیٹھتا، تو گویا اس پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا، روتے دھوتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کہتا کہ اللہ کے رسولؐ میں ہلاک ہو گیا۔ مجھ سے یہ حرکت سرزد ہو گئی ہے، چارہ سازی فرمائیے۔۔۔۔

رمضان کے آخری عشرے میں نیکی اور طاعت وعبادت کی فضا اور گہری ہو جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب قدر کے فضائل بیان فرماتے اور اسے طاق راتوں میں ڈھونڈنے کی تلقین فرماتے۔ خود حضورؐ رمضان کے آخری دس دنوں میں بالعموم اعتکاف کرتے، اور صحابہ کرامؓ کو بھی معتکف ہونے کی ترغیب دیتے۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان رمضان میں دس دن دنیوی جھمیلے چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشین ہو جائیں اور اپنا زیادہ سے زیادہ وقت طاعت وعبادت میں گذاریں، اپنے رب سے لو لگائیں، اپنے دلوں کو جلا دیں، اور اوامر ونواہی پر کاربند ہونے کے لئے روحانی قوت فراہم کریں۔

۲۹ رمضان کو نگاہیں پھر آسمان کی طرف اٹھ جاتیں، ہلال عید طلوع ہوتا، تو غم ومسرت کی ایک لہر مدینے بھر میں دوڑ جاتی۔ غم، ماہِ مبارک کے رخصت ہونے کا کہ پھر خدا جانے اس کی برکات سے دامن بھرنے کا موقع نصیب ہو یا نہ ہو، مسرت اس بات کی کہ اس بابرکت مہینے سے جی بھر کر فیضیاب ہوئے، رات تکبیر وتہلیل میں گذرتی، صبح مدینے کے بوڑھے، جوان اور بچے حسب ننے اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر گھروں سے نکلتے اور عید گاہ کی طرف روانہ ہو جاتے۔ مدینہ طیبہ کے گلی کوچے اللہ کی حمد وثنا اور تکبیر وتہلیل

کے ترانوں سے جاگ اٹھتے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد۔ عیدگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوگانہ پڑھاتے اور پھر خطبہ دیتے، وعظ و نصیحت فرماتے، ضروری احکام صادر فرماتے ضروری احکام صادر فرماتے اور کہیں کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو اسکی روانگی کا حکم جاری فرماتے اور کوئی خاص حکم نافذ کرنا ہوتا، تو اُسے نافذ کرتے، مردوں سے خطاب کرنے کے بعد عورتوں کو الگ خطاب فرماتے انہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی ہدایت فرماتے، اور آخرت کا ثواب و عذاب یاد دلاتے، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں عورتوں کو انفاق فی سبیل اللہ دی، عورتوں نے حضور کا ارشاد سنتے ہی اپنے ہاتھوں، کانوں اور گلے سے زیور اتار کر دے دئے۔

مسلمان ذوق و شوق سے ارشادات رسولؐ سنتے اور انہیں حرزِ جان بنا لیتے۔ واپسی پر پھر ہر شخص کی زبان پر اللہ اکبر کی پکار ہوتی اور دل میں یہ تمنا کہ اس کا شمار ان خوش نصیب مزدوروں میں ہو جن کی اُجرت ان کا مالک پوری پوری ادا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار شب قدر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: "جب لیلۃ القدر سایہ فگن ہوتی ہے، تو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی جلو میں آتے ہیں، اور ہر اس بندے پر سلام رحمت بھیجتے اور اسکی مغفرت کی دعا کرتے ہیں جو عبادت میں مصروف ہوتا ہے۔ عید الفطر کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے ان بندوں کا ذکر فخریہ انداز میں کرتا ہے اور کہتا ہے:

"اے میرے فرشتو! اس مزدور کی اُجرت کیا ہے جو اپنا کام پورا کر دے۔؟" فرشتے عرض کرتے ہیں، "پروردگار، اسکی اُجرت یہ ہے کہ اُسے پورا پورا معاوضہ دیا جائے۔" اللہ تعالیٰ کہتا ہے: "اے میرے فرشتو! میرے بندوں اور بندیوں نے اپنا فرض ادا کر دیا، پھر وہ گھروں سے دعا کے لئے عیدگاہ کی طرف نکلے۔ قسم ہے مجھے اپنی عزت، اپنے جلال، اپنی بخشش، اپنے کرم، اپنے بلند مرتبہ اور بلند منزلت کی: میں ان کی دعائیں قبول کروں گا۔" پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے میرے بندو، اپنے گھروں کو (خوش خوش) لوٹ جاؤ۔ میں نے تمہیں بخش دیا، اور تمہاری برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دیں۔"

چنانچہ مسلمان عیدگاہ سے اس حالت میں واپس ہوتے ہیں کہ گناہوں سے ان کا دامن بالکل صاف ہوتا ہے۔

مژدہ جانفزا ہو اس شخص کو جو اس مبارک مہینے کو پاتا ہے اور اسکی برکتوں اور اللہ کی خوشنودی اور رضا سے اپنا دامن بھر لیتا ہے۔ بدنصیب ہے وہ شخص جس نے اس مہینے کو پایا اور اسکی برکتوں اور سعادتوں سے محروم رہا۔

شیخ عمرؒ بن محمد شہاب الدین سہروردی کہتے ہیں :

عراق کے ایک بزرگ اور ان کے ساتھیوں کا طریقہ یہ تھا کہ روزے رکھتے تھے، اور افطار سے پہلے اللہ کی طرف سے جو کچھ انہیں میسر آجاتا، اسی پر اکتفا کرتے اور کھا لیتے۔ مباح اشیاء کو چھوڑ دینا اور حرام چیزوں سے افطار کرنا ادب کے خلاف ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرمایا کرتے تھے: عقلمندوں کا سونا اور افطار کرنا کیا ہی خوب ہے اور بعض اوقات بیوقوفوں کی شب بیداری اور روزے رکھنا کتنا نقصان دہ ہے۔ اہل یقین اور متقی لوگوں کا ذرا سا عمل فریب خوردہ لوگوں کے پہاڑ جتنے اعمال سے کہیں بڑھ کر ہے۔

حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں :

غیبت اور جھوٹ ایسی دو عادتیں ہیں جو روزے کو خراب کر دیتی ہیں۔ شیخ ابو طالب مکی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بات سننے اور بری بات کہنے کو حرام کھانے کے ساتھ شامل کیا ہے، اور فرمایا ہے: سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ (وہ جھوٹی باتیں بہت سنتے اور حرام مال خوب کھاتے ہیں۔)

حدیث میں آیا ہے، دو عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں روزہ رکھا، دن کے آخر میں ان کی حالت غیر ہوگئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیج کر افطار کرنے کی اجازت مانگی۔ حضورؐ نے ایک پیالہ بھیجا اور فرمایا جو کچھ انہوں نے کھایا ہے اس میں قے کر دیں، چنانچہ ان میں سے ایک کی آدھی قے میں خالص خون اور آدھی میں تازہ گوشت برآمد ہوا۔ دوسری کی بھی یہی کیفیت تھی، لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا، تو حضورؐ نے فرمایا: "ان دونوں نے روزہ رکھنے کے بعد حرام چیز سے روزہ افطار کیا تھا۔"

شیخ رویمؒ بیان کرتے ہیں :

میں دوپہر کے وقت بغداد کی ایک گلی میں سے گذرا، مجھے سخت پیاس لگی ہوئی تھی، ایک گھر کے دروازے پر دستک دی، اور پانی مانگا، ایک کنیز نیا آبخورہ ٹھنڈے پانی کا بھر کر لائی، میں نے پانی لینے کے

لئے ہاتھ بڑھایا، تو کہنے لگی: "صوفی ہوکر دن کے وقت پانی پیتے ہو۔" یہ کہہ کر اس نے آبخورہ پھینکا اور چلی گئی، میں پانی پانی ہوکر رہ گیا۔"

سید علی ہجویری ؒ فرماتے ہیں:

"محض کھانے پینے سے روزہ رکھ لینا اور روزے کے آداب اور شرائط کی پابندی نہ کرنا بچوں اور جاہلوں کا مشغلہ ہے۔ شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دنیوی اور نفسانی خواہشات سے باز رہے اور روزے کے دوران حرام چیزوں سے قطعی اجتناب کرے۔ اُس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو نفلی روزے رکھتا ہے، لیکن فرضی روزے چھوڑ دیتا ہے۔"

شیخ یحییٰ بن معاذ کا قول ہے:

"جب صوفی بسیار خوری میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو فرشتے ازراہِ شفقت اُس پر اشکباری کرتے ہیں۔ اور جو کھانے کی حرص میں مبتلا ہو گیا، وہ آتشِ خواہش میں جل گیا۔ شکم سیری نفس کی ایسی نہر ہے جس پر شیطان کا گزر ہوتا ہے، اور روزہ روح کی وہ نہر ہے جس پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔

طالبِ حق افطار کے موقع پر کھانا کھانے کے بعد جب محسوس کرے کہ اس کے باطن میں تبدیلی آگئی ہے اور اُس کا نفس بندگی کے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کر رہا ہے، تو وہ دل کے بدلے ہوئے مزاج کا علاج نماز، تلاوتِ قرآن، توبہ و استغفار اور ذکر و اذکار سے کرے۔

روزہ عالمی اجتماعی نوعیت رکھتا ہے۔ اسکی ایک مخصوص فضا ہے جس میں روزے کی مشقت آسان ہو جاتی ہے، دل نرم پڑ جاتے ہیں، نفس خشوع و خضوع، عبادت و طاعت اور نیکی اور انسانی ہمدردی کیطرف جھک جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کی گہری نظر نے اس حقیقت کو پالیا تھا، وہ حجۃ اللہ البالغہ میں حدیث: اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنۃ۔ (جب رمضان آتا ہے، تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "روزہ جب ایک رسم بن جاتا ہے، تو دوسری بیشمار رسوم کیطرح بے جان ہوکر رہ جاتا ہے، لیکن جب کوئی قوم پورے التزام، احساس و شعور اور احتسابِ نفس کیساتھ روزہ رکھتی ہے، تو اس کے شیاطین پابہ زنجیر ہو جاتے ہیں، اس کی جنتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس پر آگ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔"

روزہ دار کے مقدر میں دو خوشیاں لکھ دی گئی ہیں: ایک اسوقت جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری اسوقت جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔

سید ابوالحسن علی ندوی

حضرت علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ

ایک معاشی تحریک یا ایک جدید مذہب؟

> سوشلزم صرف ایک معاشی تحریک نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے جو تمام ادیان سابقہ، الٰہی تعلیمات، اخلاقی اقدار اور خود سرچشمہ دین حق یعنی ذات خداوندی کے خلاف ہے اور کامریڈوں کی زندگی کی راہ میں سے ہر رکاوٹ دور کرنا اس دین جدید یا دین یہودی کا مقصد ہے جس کے بانی شوپن ہار، مارکس اور لینن یہودی تھے۔

★

اس سے قائم ہوتا ہے کہ انسان کو مذہب سے ہٹایا جائے۔ چنانچہ واٹ کیونزم از ویب ص۱۴۸ میں ہے کہ کمیونزم کا ممبر اس شخص کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا جو صدق دل سے صاف صاف اس بات کا اعلان نہ کردے کہ وہ دہریہ ہے، یعنی منکر خدا ہے۔

اینجلز لکھتا ہے کہ ہماری پارٹی طبقہ وار شعور رکھتی ہے، اور مزدوروں کی آزادی کے لئے جدوجہد کرتی ہے۔ ایسی پارٹی مذہبی اعتقادات سے پیدا کردہ جہالت سے غفلت نہیں برت سکتی۔ ہمارا ایک بنیادی مقصد ہے کہ مذہبی فریب خوردگی کو دور کیا جائے۔ (اینجلز ص۱۵)

مذہبی فریب خوردگی سے نجات دلانے کے لئے خلاف الوہیت (خدا) سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا جس کا نصب العین اس کے الفاظ میں یہ تھا کہ ہم نے آسمانی زاروں کو تو عرش سے اتار پھینکا ہے جسطرح ہم نے اس زمین کے زاروں کو اتار پھینکا ہے۔ (حاشیہ اشتراکیت اور اسلام مسعود عالم ص۴)

مارکس نے مذہب کے انفرادی معاملہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں قدم آگے بڑھا کر انسانی ضمیر کو مذہب کے اقتدار سے آزاد کرانا ہے۔

مذہب پر تنقید علم تنقید کا مبدء ہے۔ (مارکس سوشلزم نمبر ص۱۹۲)

۶۔ مذہب عوام کے حق میں افیون کا اثر رکھتا ہے۔ (بحوالہ سابق)
۷۔ مذہب ازمنۂ قدیمہ کی نظام غلامی کی باز گشت ہے۔ کیمونسٹ مینی فیسٹو کی تشریح دفعہ ۵۵ انہ ریزینوف۔
۸۔ ضابطۂ اخلاق جو انسانی سماج سے باہر لیا گیا ہے، ہمارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا یہ ایک ڈھونگ ہے۔ ہمارا ضابطۂ اخلاق طبقاتی تصادم کے مفاد کا تابع ہے۔ (لینن)

ان مختصر جوابات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ سوشلزم صرف ایک معاشی تحریک نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے، جو تمام ادیان سابقہ اور الٰہی تعلیمات اور اخلاقی اقدار اور خود سرچشمۂ دین حق یعنی ذات خداوندی کے خلاف ہے۔ اور کامریڈوں کی درندگی کی راہ میں سے ہر رکاوٹ کو دور کرنا اس دین جدید یا دین یہودی کا مقصد ہے، دین سوشلزم جو دشمن انسانیت ہے۔ اس کے بانی شوپن ہار، مارکس اور لینن ہیں جو یہودی تھے، اور جن کا قول تھا کہ ہم نے بے زبان حیوانات پر تو سواری کی، اب ہم نے اس زمانے میں انسانوں کو سواری بنا دیا، جن کو جانوروں کی طرح استعمال کریں گے۔
(طنطاوی تفسیر الجواہر ج ۷ ص۱۲۱)

تمام لڑائیوں کے درپردہ یہی یہود تھے۔ اب سوشلزم پرستی کا خلاصہ تمام بشری تاریخ اور تعلیمات آسمانی اور خود خدا سے کٹ کر ایک مغضوب یہودی قوم کے تین افراد کے بنائے ہوئے لائحہ حیات یا دین سے اپنی زندگی کو وابستہ کرنا ہے۔ باقی ہم نے سوشلزم کے متعلق جو کہا ہے کہ وہ دین ہے، یہ بات غیر تحقیقی نہیں، بلکہ کمیونسٹ پارٹی کا ترجمان ڈگلس ہائیڈ نے لکھا ہے کہ اشتراکی کارل مارکس اور اینجلز کو وہ درجہ دیتے ہیں جو صحف سماویہ کو دیا جاتا ہے۔ اس طرح چین میں ماوزے تنگ کی لال کتاب کی چینی تلاوت کرتے کرتے ہوائی جہاز اتارتے ہیں۔ یہ ان کے مذہبی جذبے کا اظہار ہے، اس لئے والٹیر نے کہا اگر خدا نہیں تو ہمیں ایک خدا بنانا پڑے گا۔ یہ وہ عاجز مصنوعی خدا ہے جو حقیقی خدا کی جگہ سوشلزم کے پرستاروں سے پجوایا جاتا ہے۔

اس دین یہودی کے چند اور بنیادی افکار ملاحظہ فرمائیں:

فکر ۱۔ اشتراکیت کی شریعت میں کارل مارکس کو پیغمبر کی طرح تقدس حاصل ہے ——

ہیگل افلاطونی فلسفہ کیطرح افکار و تصورات کو اصل موثر و عامل اور حقیقت سمجھتا ہے اور فطرت کائنات اور انسانی تاریخ اور واقعات کو تابع سمجھتا ہے، لیکن ہیگل کا متبع کارل مارکس تصوریت کو خارجیت کا تابع سمجھتا ہے، لیکن واقع میں، دونوں نظریات کل رنگ میں غلط اور جذباتی ہیں۔ کیونکہ بعض جگہ

تصوریت اصل اور خارجیت تابع ہے۔

فکر ۲ | مارکس کہتا ہے کہ مذہب جن اسباب و عوامل سے پیدا ہوا وہ خوف و بیچارگی کا احساس ہے، اب فطرت خارجی پر ایک حد تک انسان نے قابو پالیا۔ اس لئے خوف و دہشت باقی نہیں رہی تاکہ مذہب کا سہارا لینے کی ضرورت ہو۔

فکر ۳ | مارکس کہتا ہے کہ مادہ ازلی ہے اور اس کا وجود ہی ہمارے ادراک و شعور پر موقوف نہیں، اور کائنات کے جملہ مظاہر مادہ کی حرکت کے اثرات ہیں۔

ابدی صداقتوں اور وحی سے انکار | مارکس کہتا ہے کہ کوئی صداقت ابدی نہیں بلکہ حالات کی تابع ہے، حالات جب بدل جاتے ہیں تو صداقت بدل جاتی ہے، اس لئے کوئی صداقت ہمیشہ کے لئے صداقت نہیں، احوال حرکت مادہ کے نتائج ہیں، جو تغیر پذیر ہیں، تو صداقت بھی تغیر پذیر ہے، وحی کے متعلق کہتا ہے کہ انسان کی اندرونی قوت کے سوا کوئی اور ذریعہ علم نہیں، اس لئے وحی کا افسانہ غلط ہے۔

فکر ۵ | اشتراکیت کی شریعت میں کارل مارکس کو پیغمبر کی طرح تقدس حاصل ہے، اس لئے ہم مارکس فلسفہ کے افکار اسکی کتاب (سرمایہ) سے نقل کر کے اس پر تنقید کرتے ہیں تاکہ اس کی تضاد بیانی اور افکار کی ژولیدگی ناظرین پر واضح ہو جائے۔ ہیگل افلاطونی فلسفہ کی طرح افکار و تصورات کو اصل موثر و علل اور حقیقت سمجھتا ہے اور فطرت کائنات اور انسانی تاریخ اور واقعات کو اس کا تابع سمجھتا ہے، لیکن ہیگل کا متبع مارکس تصوریت کو خارجیت کا تابع سمجھتا ہے۔ لیکن واقع میں دونوں نظریات کلی رنگ میں غلط اور جذباتی ہیں، کیونکہ بعض جگہ تصوریت اصل اور خارجیت تابع ہے۔

سائنس کی ہلاکت آفرینیاں

لندن۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۹ء - امریکی سائنس دان مصنوعی طریقوں سے ایک ایسی قسم کا پانی تیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جسکا ایک قطرہ پوری دنیا کو تباہ کر سکتا ہے۔ برطانیہ کے ایک سائنس میگزین میں سے ایک امریکی سائنس دان نے خبردار کیا ہے کہ اس سیال مرکب کی تیاری سے احتراز کیا جائے کیونکہ اگر یہ مصنوعی پانی عام پانی سے مل جائے تو اس قدر شدید حرارت پیدا ہوگی جس سے پورا کرہ زمین آگ کا دھکتا ہوا گولا بن جائے گا۔ اور کوئی چیز بھی زندہ نہیں رہ سکے گی۔ یہ اعتراض پنسلوانیا یونیورسٹی کے ڈاکٹر ڈونا ہو نے کیا ہے۔ امریکہ کی ایک فرم اس مصنوعی پانی کی تیاری کیلئے اپنی نگرانی میں تجربات کرا رہی ہے۔ اس کمپنی کے ایک ترجمان نے ڈاکٹر ڈونا ہو کے اعتراضات کی مخالفت کی ہے جس میں انہوں نے اسے دنیا کا خطرناک ترین مرکب قرار دیا ہے۔

جناب وحیدالدین خان صاحب

مذہب بیزار نظام معیشت کا انجام

اجتماعی ملکیت کے تجربہ سے روس کو کیا ملا۔

مذہب، معاشیات کی جو تنظیم کرتا ہے، اس میں ذرائع پیداوار پر انفرادی ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے بلکہ اس کا ڈھانچہ بنیادی طور پر، انفرادی ملکیت کے اوپر قائم ہے۔ یہ نظام عرصہ تک باقی رہا[1] مگر صنعتی انقلاب کے بعد یورپ میں انفرادی ملکیت کے اصول پر زبردست تنقیدیں شروع ہوئیں، یہاں تک کہ تعلیم یافتہ طبقہ کی عام فضا اس کے خلاف ہو گئی۔ انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے نصف اوّل کے درمیان سو برس تک ایسی فضا رہی گویا انفرادی ملکیت ایک مجرمانہ قانون تھا جو دور وحشت میں انسانوں کے درمیان رائج ہو گیا۔ اور اب تجدید علمی ترقی نے اجتماعی ملکیت کا اصول دریافت کیا ہے، جو معاشیات کی بہتر تنظیم کے لئے اعلیٰ ترین اصول ہے۔

اس کے بعد تاریخ میں پہلی بار اجتماعی ملکیت کے نظام کا تجربہ شروع ہوا۔ زمین کے ایک بڑے حصے میں اس کو نافذ کیا گیا۔ اس کے حق میں بڑے بڑے دعوے کئے گئے، بڑی بڑی امیدیں باندھی گئیں، مگر طویل تجربہ سے ثابت ہو گیا۔ کہ اجتماعی ملکیت کا نظام نہ صرف یہ کہ غیر فطری ہونے کی وجہ سے اپنے قیام کے لئے تشدد پیدا کرتا ہے، نہ صرف یہ کہ وہ انسان کی ہمہ جہتی ترقی میں مانع ہے، نہ صرف یہ کہ سرمایہ داری سے بھی زیادہ ایک مرکوز اور جابرانہ نظام کا موجب ہے، بلکہ خود وہ زرعی اور صنعتی پیداوار بھی اس میں ملکیتی نظام

---

[1] انفرادی ملکیت کا نظام جو ساری دنیا میں جاری ہوا وہ دراصل مذہب ہی کے اثر کا نتیجہ تھا۔ اور اسی لئے مارکس اور اس کے متبعین نے مذہب کی شدید مخالفت کی کیونکہ اس کے بغیر وہ انفرادی ملکیت کو ذہنوں سے نکال نہیں سکتے تھے۔

کے مقابلے میں کم حاصل ہوتی ہے، جس کے لئے آزادی اور ہمہ جہتی ترقی کی قربانی دی گئی تھی۔

یہاں ہیں روس کی مثال دوں گا، روس کی تمام زمینیں اس وقت سرکاری ملکیت میں تبدیل کی جا چکی ہیں اور پورے ملک میں "اجتماعی" انتظام کے تحت کاشت کی جاتی ہے، ساری زمینیں سرکاری اور پنچائتی فارم کی صورت میں ہیں نہ کہ نجی ملکیت کی صورت میں۔ البتہ ۱۹۳۵ء کے فیصلہ کے مطابق ہر کسان کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے رہائشی مکان سے متصل اپنے ذاتی استعمال کے لئے ایک تہائی یا نصف ایکڑ اور بعض مخصوص صورتوں میں دو ایکڑ تک زمین پر قبضہ رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اسے یہ بھی حق ہے کہ اپنے مکان میں محدود تعداد میں گائے بکری بھیڑ اور مرغی وغیرہ پالے۔ ۱۹۶۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق روس میں کل زیرِ کاشت رقبہ ۲۰۴ ملین ہیکٹر (HECTARES) تھا جس میں نجی رقبہ کی مجموعی مقدار چھ ملین ہیکٹر تھی، یعنی کل زیرِ کاشت زمین کا صرف تین فیصدی حصہ۔ مگر ۱۹۶۱ء میں آلو کی پیداوار کا جو تناسب تھا، وہ حسبِ ذیل ہے :-

	زیرِ کاشت زمین	پیداوار
اجتماعی رقبہ۔	۴۳,۵۲,۰۰۰	۳,۰۸,۰۰,۰۰۰ ٹن
نجی رقبہ	۴۵,۲۶,۰۰۰	۵,۳۵,۰۰,۰۰۰ ٹن

اسطرح نجی رقبہ پر پیدا ہونے والے آلو کی مقدار گیارہ ٹن فی ہیکٹر تھی جبکہ سرکاری فارموں میں یہ مقدار صرف سات ٹن فی ہیکٹر تھی۔ حالانکہ سرکاری فارموں کو جدید زرعی مشینیں، موزوں زمین اور معدنی کھاد وغیرہ کی وہ سہولتیں حاصل تھیں جن سے نجی رقبے قدرتی طور پر محروم تھے۔ اسی قسم کا تناسب دوسرے اجناس کی پیداوار میں بھی پایا جاتا ہے۔

مویشیوں کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب ہے۔ چارہ کی کمی اور ناقص دیکھ بھال کی وجہ سے سرکاری فارموں میں کثرت سے جانور مر جاتے ہیں۔ چنانچہ صرف ایک ریاست میں ۱۹۶۲ء کے گیارہ مہینوں میں مجموعی طور پر تقریباً ایک لاکھ ستر ہزار مویشی مر گئے۔ اس کے مقابلے میں ہر قسم کی دشواریوں کے باوجود نجی طور پر پالے ہوئے مویشیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور باعتبار تناسب وہ سرکاری جانوروں سے زیادہ مفید ثابت ہو رہے ہیں اور زیادہ پیداوار دے رہے ہیں، چنانچہ سرکاری فارم جو کل تعداد کا پچھتر فیصدی مرغیوں اور مویشیوں کے مالک ہیں، انہوں نے نجی ذرائع کے مقابلے میں صرف دس فیصدی زیادہ گوشت فراہم کیا اور انڈے میں تو نجی پیداوار نے انہیں بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ ۱۹۶۱ء کے اعداد و شمار

ملاحظہ فرمائیں :

	اجتماعی رقبہ	نجی رقبہ
گوشت	۴۸،۰۰،۰۰۰ ٹن	۳۹،۰۰،۰۰۰ ٹن
دودھ	۲،۴۰،۰۰،۰۰۰ ٹن	۲،۸۵،۰۰،۰۰۰ ٹن
انڈا	۶،۳۰۰ ملین	۲۴،۰۰۰ ملین
اون	۲،۸۷،۰۰۰ ٹن	۷۹،۰۰۰ ٹن

حتیٰ کہ یہ محدود نجی ذرائع خود حکومتی مرکزوں کو غذائی اشیاء سپلائی کرتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء میں صرف ایک ریاست میں حکومت نے اپنے دفاتر کا ۲۶ فیصدی آلو اور ۴۴ فیصدی انڈا نجی فارموں سے حاصل کیا اور اسی طرح دوسری چیزیں۔

BULLETIN (Germany) NOV, 1963

اس اجتماعی ملکیت کا آخری انجام یہ ہے کہ روس جو زار کے زمانے میں جبکہ وہاں نجی ملکیت کا نظام رائج تھا، اناج کے معاملے میں دنیا کے چند بڑے برآمدی ملکوں میں سے تھا۔ اس نے ۱۹۶۳ء میں کناڈا، آسٹریلیا اور امریکہ سے پندرہ ملین ٹن گیہوں خریدا ہے اور یہ صورت حال مسلسل جاری ہے چنانچہ ۱۹۶۱-۶۲ء میں اس نے امریکہ سے بارہ لاکھ پچاس ہزار ٹن غلہ خریدا ہے۔ اسی طرح بعد کے سالوں میں بھی یہی حال دوسرے اشتراکی ملک چین کا بھی ہے۔

BULLEIN (Germany) OCT, 1963

اس تجربے سے معلوم ہوا کہ مذہب کا قانون جس ذہن سے نکلا ہے، وہ انسانی فطرت کو زیادہ جاننے والا ہے اور اس کے مسائل کو زیادہ گہرائی کے ساتھ سمجھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ سب کچھ جو تمدن کی تعمیر کے لئے ہمیں درکار ہے، اسکا واحد اور حقیقی جواب صرف مذہب کے پاس ہے، مذہب ہمیں حقیقی قانون ساز کیطرف رہنمائی کرتا ہے، وہ قانون کی موزوں ترین اساس فراہم کرتا ہے، وہ زندگی کے ہر معاملے میں وہ صحیح ترین بنیاد دیتا ہے جسکی روشنی میں ہم زندگی کا مکمل نقشہ بنا سکیں، وہ حاکموں اور محکوموں کے درمیان قانونی مساوات پیدا کرنے کی واحد صورت ہے۔ وہ قانون کیلئے وہ نفسیاتی بنیاد فراہم کرتا ہے جسکی عدم موجودگی میں قانون عملاً بے کار ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ سوسائٹی کے اندر وہ موافق فضا پیدا کرتا ہے جو کسی قانون کے نفاذ کے لئے ضروری ہے۔ اسطرح مذہب ہمیں وہ سب کچھ دیتا ہے جسکی ہمیں اپنے تمدن کی تعمیر کے لئے ضرورت ہے۔ جبکہ لامذہبیت ان میں سے کچھ بھی نہیں دیتی اور نہ حقیقۃً دے سکتی۔

■■

لوہے اور قوت کی اہمیت

اسلام کی نظر میں

یہ مقالہ محکمہ اوقاف کے سیمینار منعقدہ لاہور اگست ۱۹۶۷ء میں پڑھا گیا

مذاہب عالم میں صرف اسلام کو جو دین فطرت ہے یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ دین و دنیا کا جامع اور قوت و قانون دونوں کا حامل ہے، شنتومت جو جاپان کی اکثریت کا مذہب ہے، نہ اس میں دنیوی زندگی کے لئے کوئی جامع قانون موجود ہے اور نہ قوت اور نہ لوہے سے تیار کردہ آلات حرب کی طرف کوئی ترغیب پائی جاتی ہے، اس کا سارا زور نفس کشی، چلہ کشی اور دنیا بیزاری پر صرف ہوا ہے۔ بلکہ اس میں حیات کو دکھ اور موت کو سکھ ثابت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حال کیفیشوس ازم کا ہے، جو چین کی اکثریت کا مذہب ہے۔ نہ اس میں کوئی ضابطۂ حیات ہے اور نہ جامع قانونِ زندگی ترک دنیا اور تجرد کی درویشانہ زندگی اس مذہب کی روح ہے۔ اسی طرح بدھ مذہب جس میں وصیان گیان اور دنیا بیزاری کے سوا کچھ نہیں۔ مسیحیت کی اصلی بنیاد عجز و خاکساری تجرد ترک دنیا اور ظالم سے چشم پوشی اور ترک مقابلہ پر مبنی ہے۔ انجیل میں ایک گال پر تھپڑ لگانے والے کے آگے دوسرے گال کو پیش کرنے کی تعلیم موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان چار بڑے عالمی مذاہب میں نہ جامع قانونِ حیات موجود ہے نہ قوت کی تحصیل کی ترغیب پائی جاتی ہے، بلکہ یہ مذاہب ضعف کی حوصلہ افزائی کے حامل ہیں۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اور جامع قانونِ حیات کا علمبردار ہے۔ اس لئے اسلام نے قوت کے اصل سرچشمے (لوہے) کیطرف بھی مسلمانوں کو توجہ دلائی اور فراہمی اسباب قوت کی اہمیت سے بھی ان کو آگاہ کیا۔ سرچشمہ قوت یعنی لوہے کی اہمیت کے متعلق قرآن میں لوہے کے نام سے ایک خاص سورت موجود ہے۔ کیونکہ قرآن میں یہ قاعدہ ہے کہ جس سورت میں متعدد مضامین ہوتے ہیں تو ان سب میں جو مضمون زیادہ اہم ہو اس کے نام پر سورت کو معنون کیا جاتا ہے، قرآن مجید

کے ستائیسویں پارہ میں ایک سورۃ کا نام حدید ہے۔ حدید لوہے کا نام ہے یعنی لوہے کے ذکر پر مشتمل سورت ہے۔ پوری آیت یہ ہے: ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیه بأس شدید ومنافع للناس ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسله بالغیب ان اللہ قوی عزیز۔ ارشاد ہے کہ ہم نے واضح دلائل کیساتھ رسولوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ آسمانی کتاب اتاری اور انصاف کا ترازو (شریعت) بھی نازل کیا تاکہ تمام اقوام انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں ہولناک جنگ کا پورا سامان موجود ہے، اور تمام اقوام کے لئے دیگر فائدہ مند سامان بھی موجود ہے اور یہ سب سامان اس لئے کیا کہ اللہ دیکھ لیں کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عادلانہ قانون کی امداد بن دیکھے کون کرتا ہے۔ بیشک تمہارا خدا قوی اور غالب ہے۔ اس آیت میں پہلے تمام رسولوں اور پیغمبروں کی رسالت الٰہی کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ وہ کتاب الٰہی اور شریعت، شریعت ربانی کا نزول ہے جس سے کرۂ ارض اور اقوام عالم کے لئے عالمی انصاف کا ایسا ایک معنوی ترازو پیش کیا گیا ہے کہ جو فعل وعمل اس ترازو پر درست ہو وہ عالمی انصاف کے مطابق ہے اور جس میں ذاتی یا قومی یا نسلی تفاوت اور کمی بیشی موجود ہو وہ ظالم ہے اور عالمی انصاف کے خلاف ہے، کیونکہ اس ترازو کا اتارنے والا رب العالمین ہے۔ صرف رب المسلمین یا رب الاوروپیین یا رب الایشیائین یا رب الامریکین نہیں۔ یہ ترازو یا شریعت آسمانی عالمی انصاف کا ربانی قانون ہے اور قانون انصاف پر جب تک عمل نہ ہو اور عالم میں وہ جاری نہ ہو، اس وقت تک انصاف ناممکن ہے۔ اس لئے ایسے عالمی انصاف کے لئے قانون عدل وامن کے ساتھ قوت کی بھی ضرورت ہے اس لئے قرآن نے اعلان کیا قانون انصاف کے لئے کہ تمام انسانوں اور اقوام عالم کو اسی عالمی انصاف کے قانون پر قائم کیا جائے اور اس کے آگے گردن نہاد ہونے کے لئے ان کو مجبور کیا جائے، اس قانون عدل کے لئے ضروری ہے کہ خدا وند القدوس کے پیدا کردہ سرچشمہ قوت سے یعنی لوہے سے استفادہ کیا جائے، اس لئے قرآن نے اعلان کیا کہ ہم نے لوہے کو پیدا کیا کہ اس میں فوجی اور سول دونوں قسم کے فوائد موجود ہیں۔ تمام آلات حرب رائفل سے لیکر ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تک بنانے میں لوہے کی ضرورت ہے اور تمام بری بحری اور ہوائی آلات جنگ کی تخلیق لوہے سے وابستہ ہے جس سے فوجی قوت اور اقامت عدل میں مدد ملتی ہے اسی طرح سامان جنگ کے دیگر مواد بارود وغیرہ خدا نے زمین میں پیدا کئے ہیں۔ فوجی قوت کے ساتھ سول ضروریات کی فراہمی بھی ضروری ہے، وہ بھی لوہے سے وابستہ ہیں۔ ہسپتالوں میں اوپریشن وغیرہ کے اوزار کاٹنے

کے لئے چھری، چاقو، مصنوعات کے جوڑنے کے لئے میخ وغیرہ قفل زنجیر گھڑیاں چھری کانٹے برتن ظروف و اوزار تعمیر مکان اور ریلوے لائن کے گاڈر اور ریل گاڑی موٹر ٹرک کے اجزا بجلی کے تار وغیرہ لوہے کے وجود سے وابستہ ہیں جسکی طرف منافع للناس کہہ کر ترغیب دلائی گئی اور سامانِ جنگ کے بنانے کے لئے فیہ باس شدید کہہ کر بتایا کہ لوہے سے جنگ کا خطرناک سامان بنایا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو بالخصوص لوہے کی فوجی اور سول ضروریات کی فراہمی کی اہمیت کی طرف متوجہ کر دیا گیا۔ اس سے آگے چل کر مذکورہ آیت میں لوہے کے اسلحہ وساز وسامان کے استعمال کا صحیح محل بھی متعین کیا، تاکہ یہ سامان ظلم میں استعمال نہ ہو، عدل اور انصاف عالمی اور انسانی حقوق اور خدائی حقوق کے تحفظ کے لئے استعمال ہو، کیونکہ سرکاری سامان سرکاری کام میں استعمال ہونا چاہئے۔ ذاتی مقاصد میں استعمال نہ ہونا چاہیئے: لیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب۔ تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لیں۔ ان آلات کو بن دیکھے اللہ اور رسولوں کے قانونِ عدل میں کون استعمال کرتا ہے اور ان لوہے کے آلات سے کون خدا اور رسول کے منشاء عدل کی امداد کرتا ہے، اور کون اللہ کے منشاء انصاف کے خلاف ان کو استعمال کرتا ہے۔ یعنی ان آلات سرکاری کا استعمال بڑے سرکار خدا کے کام کے لئے ہونا چاہیئے نہ اس کے خلاف یعنی ان کے استعمال سے عدل قائم نہ ہو، نہ ظلم تحفظ حقوق انسانی ہو، نہ اتلاف و بربادی حقوق انسانی اسی ایک نکتہ سے جنگ عمومی اور جنگ مقدس یعنی جہاد کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

جنگ عمومی فساد و تخریب ہے اور جہاد میں عالمی اصلاح اور تعمیر ہے۔ بقول اقبال مرحوم ؎

جنگ شاہانِ جہاں غارت گری است جنگ مومن سنت پیغمبری است

اسکی مثال ایسی ہے کہ ڈاکو بھی ہاتھ کاٹتا ہے اور ہسپتال میں ڈاکٹر بھی اپریشن کے ذریعہ ہاتھ کاٹتا ہے۔ پہلا جنگ عمومی کی طرح تخریبی عمل ہے اور دوسرے جہاد کیطرح اصلاحی عمل ہے، پہلا عمل دکھ پہنچانے کے لئے ہے اور دوسرا عمل دکھ ہٹانے کے لئے ہے، اسی طرح جب کچھ عالمی عناصر ڈاکو کی طرح راہ عدل وانصاف میں حائل ہو کر روڑے اٹکاتے ہیں تو اسلام لوہے کے اوزار استعمال کرنے اور جہاد کا حکم دیتا ہے یہ عمل صورۃً ایک جیسا ہے، نتائج وآثار اور مقصد کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے، آیت کے آخر میں ان اللہ قوی عزیز کہہ کر اقوام عالم کو تنبیہہ کی گئی کہ اگر لوہے و دیگر ذخائر الٰہی سے تم نے آلات جنگ تیار کرکے اس کو خالق کائنات کے منشاء کے خلاف استعمال کیا، تو تم آزاد نہیں ہو، خالق عالم کے ید قوت کے نیچے ہو اور وہ خالق سب سے قوی اور سب پر غالب ہے۔ تم کو اس ظالمانہ استعمال کی سزا دے گا۔ کہ تم نے خداوند کریم کے سرکاری سامان کو اس

کے منشار کے خلاف کیوں استعمال کیا۔ ہم نے گذشتہ دو جنگوں میں دیکھ لیا کہ ان آلات کے بے جا استعمال سے خود موجدین آلات کی جانوں، اموال و عمارات کو تباہ کر دیا گیا، اور باقی لوگ بحیثیت مجموعی امن میں رہے۔ اب تیسری جنگ کا انتظار ہے جس سے ان ظالموں اور ان کی مددگاروں اور ان کی خدابیزاروں اور مادہ پرستوں کی بڑی تعداد تباہ ہو کر راکھ ہو جائے گی اور باقی ماندہ انسانوں کا مستقبل بھی صدیوں تک تاریک گڑھے میں پڑ جائے گا۔

لوہا پگھلانے کی صنعت لوہا اس وقت کارآمد ہو سکتا ہے کہ اس کو پگھلا دیا جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام و احسان کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔ وَاَلَنّا لَہُ الحدید۔ کہ ہم نے دست قدرت سے اس کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تاکہ آگ میں تپانے اور کوٹنے کی تکلیف سے نجات پا جائے۔ اس آیت میں اگرچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کرنا بطور خرق عادت تھا۔ لیکن قرآن شریف نے اس کو بشکل انعام الٰہی اور احسان خداوندی پیش کیا جس سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی صنعت اور تدبیر جس سے طبعی قوانین کے تحت لوہے کو پگھلا دیا جائے، یا نرم کیا۔ اللہ کا عظیم فضل و احسان ہے اور جو قوم اس فضل و انعام سے محروم ہو، وہ بدقسمت ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحی اور دیگر غیر مسلم اقوام لوہے کو پگھلانے اور اس سے آلات جنگ تیار کرنے کی وجہ سے آسمان عروج پر پہنچ گئیں ہیں، لیکن مسلمان اس سے محروم ہیں۔ قرآن نے صرف لوہا پگھلانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لوہے سے متعلق صنعت کی طرف بالخصوص جنگی آلات کی صنعت کیطرف مسلمانوں کو خصوصی توجہ دلائی۔

آیت دوم ارشاد ہوا: والنالہ الحدید ان اعمل سابغات وقدر فی السرد۔ ہم نے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کیا اور کہہ دیا کہ بناؤ اس سے زرہیں سارے بدن پر پورے اور اس کے کڑیوں کو خاص انداز سے پر رکھو، نہ اتنے باریک کہ جنگ کی ضرب سے ٹوٹ جائے نہ اتنے موٹے کہ بدن اس کے بوجھ سے دبا رہے۔ اسی طرح نہ اس قدر کشادہ کہ نیزہ وغیرہ کو اندر گھسنے سے روک ہی نہ سکے اور نہ اس قدر تنگ ہو کہ ہوا کی آمد و رفت بند کر دے۔ لوہے کی نرمی اور لوہے کی صنعت کو قرآن الکریم نے فضل الٰہی سے تعبیر کیا۔ ولقد اتینا داؤد منا فضلا۔ ہم نے داؤد علیہ السلام کو فضل سے نوازا۔ اس کے بعد والنالہ الحدید دان اعمل سابغات۔ کا تذکرہ کر کے لوہے کو نرم کرنا اور اس سے ازرار اور آلات حرب بنانے کو فضل الٰہی کی تشریح کے طور پر بیان کیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس قرآنی ہدایت کے باوجود سب اقوام سے زیادہ قرآن پر ایمان رکھنے والی قوم لوہے کی صنعت سے محروم ہے جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا زوال ترک قرآن کا نتیجہ ہے۔ لیکن بعض

کج دماغ حضرات کو یورپ نے یہ باور کرایا ہے کہ تمہاری ذلت قرآن ہی کی وجہ سے ہے۔

سورۃ انفال پارہ ۱۰ میں ہے | آلات حرب و دیگر مصنوعات کی تیاری کا قرآنی حکم | لو ہے سے

آیت سموم۔ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم واخرین

من دونھم لا تعلمونھم اللہ یعلمھم وما تنفقوا من شیء فی سبیل اللہ یوف الیکم

وانتم لا تظلمون وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم ۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے تمام اسباب قوت جس قدر تمہارے بس میں ہیں مہیا کرو اور خاص کر پلے ہوئے گھوڑے سے جو اس وقت ٹینک کا کام دیتے تھے تمہاری قوت اس قدر ہو کہ تمہارے موجودہ دشمن اور دوسرے دشمن جو تم کو اس وقت معلوم نہیں اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ اور جو کچھ تم اسلام کی سربلندی کے لئے مال خرچ کرو گے تم کو اس کا پورا بدلہ ملے گا، اور اس میں کوئی کمی نہ کی جائے گی اور اگر دشمن رب کر صلح کی طرف جھک جائے، تو تم بھی صلح کیطرف جھک جاؤ اور کامیابی میں اعتماد اللہ پر رکھو، اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمہارے دشمنوں کی تمام باتیں سنتا ہے اور تمام اعمال سے باخبر ہے۔ اس آیت میں مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ دلائی گئی۔

۱۔ مسلمانوں کے لئے اسباب قوت وغلبہ کی فراہمی کی فرضیت کا اعلان۔

۲۔ ان اسباب کی فراہمی کی عمومیت کا اعلان کہ جس زمانہ میں جن اسباب سے دشمن پر غلبہ حاصل ہو سکے۔ خواہ وہ ایٹم بم ہو، ہائیڈروجن بم ہو یا جدید آلات حرب کی کوئی قسم ہو۔ اسی طرح مواصلات اور راشن فوجی لباس، خیمے وغیرہ زخمیوں کے لئے ہسپتال ادویہ غذا کے لئے زرعی پیداوار کو ترقی دینا یا مالی حالت کو درست کرنے کے لئے تجارت وصنعت کو ترقی دینا، ایمانی اور اخلاقی قوت کے اضافہ سے قبل بہادروں میں اضافہ کرنا۔ جدید جنگی فنون میں مہارت بحری، بری، ہوائی بیڑے کو ترقی دینا یہ سب امور بلفظ قوت میں داخل ہیں۔ کیونکہ ان امور کی فراہمی سے قوت حاصل ہوتی ہے اور ان سے غفلت کرنے میں ضعف اور تباہی مضمر ہے۔ یہ سب امور لفظ قوت کی تشریح میں داخل ہیں۔ تو قوت حاصل کرنا اسلام میں فرض ہوا جس کے پیش نظر تمام شعبہائے ترقی قرآن مجید کی نظر میں فرض قرار پائے اور فرض بھی اس حد تک جہاں تک مسلمانوں کی بدنی اور مالی وسائل کی رسائی ہے۔

۳۔ اسلامی قوت اس قدر مضبوط ہو کہ اس وقت جو دشمن ہو اور آئندہ جو قوم دشمنی پر آمادہ ہو کر میدان مقابلہ میں آئے وہ سب اسلامی قوت سے مرعوب ومرہوب ہو جائے اور مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔

۴۔ ملتِ اسلامیہ کی سربلندی کے لئے مالی قربانی کی ضرورت ہے اور جو مال اس راہ میں صرف ہو۔ اس کا پورا بدلہ اس دنیا میں اور آخرت میں بھی ملے گا۔ اور اس بدلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

۵۔ اگر دشمن صلح اور امن پر آمادہ ہو تو اُن سے صلح کر لو۔ اور تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ کیونکہ اسلام کا مقصد جنگ نہیں عالمی عدل کا غلبہ مقصود ہے جو صلح سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ مغلوبانہ صلح نہ ہو۔ اور اس میں انصاف اور عدل اجتماعی ملحوظ ہو۔

آیت ۴ | والی عاد اخاهم هوداقال یقوم اعبدوا الله مالکم من الٰه غیره ان انتم الا مفترون یقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیه یرسل السماء علیکم مدرارا و یزدکم قوة الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین: سورۃ ھود پارہ ۱۲۔ ہم نے قوم عاد کو ان کا بھائی حضرت ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ آپ نے یہ پیغام دیا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو تم غیر اللہ کی پرستش میں اس کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ مگر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ اے میری قوم اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ اور اللہ کی طرف توبہ کر کے رجوع کرو، جس کے نتیجہ میں اللہ تم کو دو نعمتیں عطا کر دے گا۔

۱۔ ایک یہ کہ خوب مینہ برسا کر تمہاری روزی فراخ کر دے گا۔

۲۔ دوم یہ کہ تمہاری موجودہ قوت میں اضافہ کر کے تم کو زیادہ قوی اور طاقتور بنا دے گا۔ اور تم حق سے مجرمانہ روگردانی نہ کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کا نتیجہ فراخی رزق اور معاشی خوشحالی ہے اور طاقتور اور قوی اور غالب ہونا ہے، اور یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی دو بڑی نعمتیں ہیں۔ آج مسلمان ان دونوں نعمتوں سے محروم ہیں نہ ان کو معاشی خوشحالی حاصل ہے نہ قوت اور غلبہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ایمانی قوت میں کمزوری واقع ہے اور نہ کمزوری یہ ہے۔ کہ ان کے پاس نہ دین کا علم و عمل ہے نہ دنیا کا اور قرآن نے کہا ہے۔ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ کیا علم سے بہرہ ور قوم اور جاہل قوم برابر ہو سکتی ہیں۔ قطعاً نہیں ہو سکتی۔ ۲۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ تم دین کی رسی کو مضبوط پکڑ کر ایک ہو جاؤ اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہو اور فرقہ واریت مسلمانی اختیار مت کرو۔ خواہ نسل کے ذریعہ ہو یا جغرافیائی حدبندی کی وجہ سے ہو یا لسانی اور سیاسی نظریات کی وجہ سے ہو۔ ۳۔ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ۔ تم اپنی کوشش اور جدوجہد کی آخری حد تک ہر قسم کا سامان قوت تیار کرو۔ یہ تین اصول جو اسلام کے ہیں۔ ان پر دَورِ حاضر کی غالب اقوام بالخصوص روس امریکہ جاپان کا عمل ہے۔ دنیوی اور سائنسی علوم میں جو دراصل مسلمانوں کے علوم تھے۔ دیگر اقوام سے فائق اور برتر

ہیں۔ اتحاد و اتفاق میں بھی ان کو برتری حاصل ہے۔ جنگی اور ہر قسم کے سامان قوت میں اور میدان جد و جہد میں سب سے آگے ہیں، لیکن مسلمانوں کے پاس نہ سائنس کا علم ہے نہ وہ کسی چیز کے موجد ہیں، نہ ان میں اتفاق و اتحاد ہے اور نہ سامان قوت کی فراہمی کے لئے ان میں جد و جہد کی تڑپ ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس دنیا میں بھی غلبہ اور قوت کیلئے جو ضابطہ ہے وہ اسلامی تعلیم کے یہ تین اصول ہیں جو قوم ان کو اپنائے گی وہ غالب اور قوی رہے گی۔ خواہ اس قوم کی تہذیب و زبان انگریزی ہو یا روسی و چینی اور جو قوم ان کو چھوڑ دے گی۔ ضعیف اور کمزور ہو گی خواہ اس کا کوئی مذہب کوئی زبان اور کوئی تہذیب ہو، لہٰذا قوت اور غلبہ حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو اپنی تہذیب و زبان بدلنے کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ترمیم مذہب کی ضرورت ہے، بلکہ ان کو اپنے مقدس اور فطری دین کے ان تین اصولوں کو اپنانے کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے غیر مسلم اقوام ترقی کے آسمان پر چڑھ گئی ہیں۔

آیت نمبر ۵ سورہ ہود پارہ ۱۲ میں ارشاد ہے۔ ان ربک ھو القوی العزیز۔ اسلام اور قرآن نے مسلمان کو یہ تصور بخشا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی صفات و کمالات کے متعلق اس نے تصور قائم کیا۔ وہ سب کمالات کا ایک بہترین نمونہ اور ان کمالات کا نمونہ مسلمان کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے، امام غزالیؒ نے المقصد الاسنیٰ فی شرح اسماء الحسنیٰ میں تخلقوا باخلاق اللہ کے تحت کہ الٰہی اخلاق اور اوصاف کا نمونہ اپنے اندر کسی نہ کسی درجہ میں پیدا کرکے اللہ تعالیٰ سے مناسبت اور قرب پیدا کرنے کا مضمون تفصیل سے بیان کیا ہے، جو قوم ان کمالات کا نمونہ اپنے اندر رکھتی ہے وہ کامیاب ہے، اگر ایمان بھی ہو تو مکمل کامیابی ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، کہ مومن اللہ کا وصف ہے، السلام المومن قرآن میں سورہ حشر میں موجود ہے اور اگر ایمان نہ ہو تو صرف دنیوی کامیابی اس کو نصیب ہو گی، اخروی نہیں، ان اوصاف اور کمالات الٰہیہ میں سے دو کمال آیت مندرجہ بالا مذکور ہیں۔ یعنی نمبر ۱ قوی یعنی اللہ قوت والا ہے دوم عزیز یعنی اللہ غالب ہے، کمزور نہیں و دیگر کمالات دیگر آیات میں مذکور ہیں۔ نمبر ۳ وھو بکل شیءٍ علیم۔ یعنی اللہ کو ہر چیز کا علم حاصل ہے۔ نمبر ۴ اللہ صانع ہے۔ صنع اللہ الذی اتقن کل شیءٍ کائنات اللہ کی تخلیق و صفت جس سے پوری حکمت کے ساتھ ہر چیز کو درست کیا ہے۔ آج ان چاروں کمالات کے نمونے سے مسلمان قوم خالی ہے، نہ قوت ہے، نہ غلبہ، نہ علم، نہ صنعت لیکن دیگر اقوام میں کسی نہ کسی درجہ میں یہ نمونہ موجود ہیں۔ جامع صغیر میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے حدیث نقل کی ہے۔ ان اللہ یحب المومن القوی۔ خدا پسند کرتا ہے ـــــ قوی ایماندار فرد و جماعت کو جس سے معلوم ہوا کہ جو فرد یا جماعت ایمان سے موصوف ہو اور قوی ہو وہ اللہ کی محبوب ہے، اللہ کا محبوب ہونا کتنی بڑی نعمت ہے۔

تین اسباب ایسے ہیں جن سے جنگ | جنگ کے فلسفہ کے تحت لوہے اور قوت کی ضرورت
فطرتاً ناگزیر معلوم ہوتی ہے۔ اولاً معاشی ضروریات کی جاذبیت۔ انسان شخصی طور پر تین چیزوں کا محتاج ہے۔ ۱۔ خوراک جس میں ہر قسم کی خوردنی چیزیں بھی داخل ہیں۔ ۲۔ پوشاک جس میں ہر قسم کے پہننے کی چیزیں داخل ہیں ۳۔ مسکن جس میں رہائش کے لئے ہر قسم کی عمارات داخل ہیں۔ ہر شخص کی ذاتی زندگی ان امور کے بغیر نامکمل ہے اور یہ تینوں چیزیں زمین سے وابستہ ہیں، خوراک، پانی، اونی ریشمی کپڑا، عمارات کی لکڑی گارڈر، چونہ، سیمنٹ سب زمین سے پیدا ہوتے ہیں۔ چونکہ انسان پر موت مسلط ہے۔ اس لئے نوعِ انسانی کی بقا کے لئے یہ ضروری ہے کہ فوت شدہ انسانوں سے عالم بشری میں جو کمی واقع ہو، اس کو توالد تناسل کے ذریعہ پورا کیا جائے۔ تاکہ نسل انسانی منقطع نہ ہو۔ اس لئے انسان کے لئے ان تین شخصی ضروریات کے علاوہ ایک چوتھی نوعی ضرورت کا سامان بھی ضروری یعنی منکوحہ بیوی تاکہ اس کے ذریعے اولاد پیدا ہو کر نسل قائم رہے۔ ان چاروں چیزوں کیطرف انسان میں طبعی میلان موجود ہے اور انسان کا ہر فرد اور جماعت جدوجہد میں مصروف ہے کہ اپنی خداداد طبعی میلان اور قوت نزوعیہ کے ذریعہ ان مذکورہ فوائد کو حاصل کرے۔ اور ان کو اپنے لئے مختص کردے۔ یہی فوائد چونکہ سب انسانوں کو مشترک مطلوب ہیں۔ اس لئے ہر کوئی اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے ان میں مذکورہ فوائد کی تحصیل کے لئے کش مکش منازعت مخاصمت پیدا ہوگی۔ جس سے ہر فرد دوسرے کو ہٹانے اور خود قابض ہونے کی سعی کرے گا۔ اس سعی کے لئے قدرت نے انسان میں ایک اندرونی قوت مدافعت یعنی قوت غضبیہ رکھی ہے جس کے استعمال سے افراد و اقوام میں جنگ ناگزیر ہوگی۔ جنگ کی کامیابی کے لئے لوہے کے اوزار کے ذریعہ قوت حاصل کرنا ضروری ہے، اس لئے لوہے کے استعمال کے لئے اقوام عالم تقابلی دوڑ شروع ہوگی، جو قوم لوہے کی قوت سے زیادہ استفادہ کرے گی، وہی سب سے زیادہ کامیاب ہوگی۔

علمی اور سائنسی دنیا کی خبریں

انتخاب و تلخیص ـــ ادارہ

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا شکاگو ۰ ار اکتوبر ۱۹۶۹ء ـــ پاکستان کے ڈاکٹر فضل الرحمن کو شکاگو یونیورسٹی برائے مشرق وسطی و لسانیات میں اسلامی تحقیق کا پروفیسر مقرر کیا گیا ہے اس شعبہ کے چیئرمین مسٹر جان اے برنکمین نے ڈاکٹر فضل الرحمن کے تقرر کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اسلامی فکر و علم کے ایک لائق سکالر ہیں اور وہ یونیورسٹی میں اسلامی تحقیق و مطالعہ کے شعبہ کی توسیع میں نمایاں طور سے کام کریں گے۔ جنوب مشرقی ایشیا کے شعبۂ تحقیق کے سربراہ پروفیسر دان بلیٹی نن نے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں کہا ہے کہ ان کے تقرر سے اسلامی تحقیق کے شعبے میں واقع خلاء کو پُر کر دیا گیا ہے، اور اسطرح اب یونیورسٹی میں برصغیر اور مشرق بعید میں اسلامی ثقافت کے پروگرام پر پوری طرح عمل ہوگا۔ واضح ہو کہ ڈاکٹر فضل الرحمن ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۸ء تک پاکستان میں مرکزی اسلامی ادارہ تحقیق کے ڈائرکٹر تھے۔

دارالعلوم دیوبند کا علمی خزانہ ایشیا کے عظیم علمی و دینی مرکز دارالعلوم دیوبند کا عظیم الشان کتب خانہ اکیا نوے ہزار سے زیادہ کتابوں پر مشتمل ہے جس میں درسی اور غیر درسی کتابیں ان کی شرحیں اور قلمی مخطوطات سب شامل ہیں، اور ہر سال انکی تعداد تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے، کچھ عرصہ سے کتب خانہ کو ترتیب و تہذیب کے نئے نظام میں ڈھالا جا رہا ہے، تفسیری کتابوں کا ذخیرہ مجلس معارف القرآن کے اہتمام میں اس کے علاوہ ہے، کتب خانہ سے محققین اور شائق طلبہ کے علاوہ بیرونی حضرات کو ریسرچ ورک اور استفادہ کا موقعہ دیا جاتا ہے، ابھی قریبی عرصہ میں امریکی خاتون مس گیلی گراہم جو تحریک خلافت پر پی ایچ ڈی کر رہی ہیں دارالعلوم آکر ایک ہفتہ سے زائد کتب خانہ سے استفادہ میں مشغول رہیں۔ قلمی مخطوطات اور نوادر کا تعارف اور فہرست تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل عنقریب طبع کی جاسکے گی۔

اکابر دیوبند پر ڈاکٹریٹ کا کام سندھ یونیورسٹی کے حافظ ارشد علی علمائے دیوبند کے ادبی ذوق اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (بھارت) کے حافظ رضوان اللہ صاحب قاہرہ یونیورسٹی میں دارالعلوم دیوبند پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ حافظ رضوان اللہ صاحب پچھلے سال مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی نگرانی میں مولانا انور شاہ کشمیری پر ریسرچ کر چکے ہیں، علی گڑھ یونیورسٹی ہی کی ایک ہونہار طالبہ حضرت نانوتوی پر ریسرچ کر رہی ہیں۔ اور اسی یونیورسٹی کے ایک ریسرچ سکالر اقبال احمد صاحب حضرت شیخ الہند کے موضوع پر تحقیقی مقالہ قلم بند کر رہے ہیں۔

باقی صد ۲۴ پر

جناب اختر راہی بی اے

اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیت کے حقوق

احمد آباد کی مسلم اقلیت پر کیا گزری — ؟ وہ ایک غیر اسلامی ریاست کی تصویر ہے۔

"اسلامی ریاست" اصول و مقاصد کے لحاظ سے ایک نظریاتی ریاست ہے جو اپنی آبادی کو ریاست کے اساسی نظریہ کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ آبادی کا وہ حصہ جو ریاست کے اساسی نظریہ پر یقین و ایمان رکھتا ہے اور اسی مقصد کی خاطر اپنی زندگی وقف کئے ہوتا ہے مسلم کہلاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو ریاست کے بنیادی نظریئے پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ریاست ہی انہیں اس پر مجبور کرتی ہے۔ غیر مسلم یا "ذمی" کہلاتے ہیں۔

موجودہ دور کی لادینی ریاستوں کا انحصار ملک و منصب پر ہے اور ایک خطۂ زمین پر بسنے والوں کو ایک قوم تصور کیا جاتا ہے، لہٰذا جو بھی ایک ریاست کا شہری ہے، یکساں حقوق و مراعات کا حقدار ہے، یہ ریاستیں کسی مخصوص تصورِ حیات اور عالمگیر پیغام کی حامل نہیں ہیں۔ ان کے لئے یہ امر کوئی معنی نہیں رکھتا کہ کوئی رام رام جپتا ہے یا اللہ اللہ کرتا ہے یا نعوذ باللہ خدا کا جنازہ ہی نکال دیتا ہے۔

ان لادینی ریاستوں کے شہریوں کی کثیر آبادی "دین" کو اپنی زندگی کا ضابطۂ حیات بھی تو تصور نہیں کرتی، ان کے خیال میں مذہب فرد اور خدا کا پرائیویٹ معاملہ ہے، جو گرجا گھر تک محدود ہے، عام زندگی میں مذہب کو مداخلت کا حق نہیں ہے۔ میکیاولی نے اگر سیاست کو دین سے الگ کیا تو لوتھر نے دین کو سیاست سے الگ کر کے اس تصور کو پختہ کر دیا۔

ان لادینی عوامل کے باوجود سیکولر سٹیٹ (SECULER STATE) اپنی آبادی کو گروہوں میں تقسیم کرتی ہے اور یہ گروہ "اکثریت" اور "اقلیت" کہلاتے ہیں۔ ان جمہوری ریاستوں میں قوم کو حاکمیت کا اختیار حاصل ہوتا ہے، لیکن عملاً تمام اختیارات اکثریت کے قبضہ میں ہوتے ہیں، اور

"اقلیت" شور مچانے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتی، موجودہ دور کی مغربی اقوام کا یہ فریب کھل چکا ہے، کہ کاغذ پر تو یکساں حقوق دیئے گئے ہیں، لیکن عملی دنیا میں اقلیت ان حقوق سے بے بہرہ ہے، اور جو حقوق اقلیتوں کو دیئے گئے ہوتے ہیں، انہیں اکثریت کا عطیہ سمجھا جاتا ہے، اس کے برعکس اسلامی ریاست میں اس منافقانہ طرزِ عمل کی بجائے پہلے ہی مرحلے پر واضح کر دیا جاتا ہے کہ غیر مسلم اور مسلم کو یہ اور یہ حقوق حاصل ہیں۔ اکثریت یعنی مسلم، غیر مسلموں کے حقوق کم کرنے کے مجاز نہیں، بلکہ ان پر دین فرض ہوتا ہے کہ اللہ و رسول کی طرف سے دیئے گئے حقوق غیر مسلم رعایا کو حاصل رہیں۔

اسلامی قانون کی رو سے تمام غیر مسلموں کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکا جاتا بلکہ ان میں امتیاز برتا جاتا ہے، اس ضمن میں تین اہم طبقات ہیں۔

۱۔ معاہدین:۔ وہ غیر مسلم رعایا جو معاہدے کے تحت اسلامی حکومت میں شامل ہوئی۔

۲۔ مفتوحین:۔ وہ غیر مسلم رعایا جو اسلامی فوجوں سے آمادہ جنگ ہوئی اور میدانِ جنگ میں شکست کھانے کے بعد لاچار ہو کر اطاعت قبول کی۔

۳۔ عام غیر مسلم:۔ یعنی ایسی غیر مسلم آبادی جو صلح و جنگ کے علاوہ کسی صورت میں اسلامی حکومت کی حدود میں آباد ہے۔

ان تینوں اقسام کے غیر مسلموں کو اہل فقہ ایک جامع لفظ "ذمی" سے موسوم کر دیتے ہیں لیکن ان کے حقوق میں اپنی نوع کے لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے۔

معاہدین کے ساتھ معاملات معاہدے کے مطابق ہوں گے اور مسلمان عند اللہ و عند الناس اسکے جوابدہ ہوں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر تم کسی قوم سے لڑو اور اس پر غالب آجاؤ اور وہ قوم اپنی اور اپنی اولاد کی جان بچانے کے لئے تمہیں خراج دینا منظور کرے۔ (ایک دوسری حدیث میں ہے کہ تم سے صلح کرے) تو پھر بعد میں اس مقررہ خراج سے ایک حبہ بھی زائد نہ لینا کیونکہ وہ تمہارے لئے ناجائز ہے۔" (ابوداؤد۔ کتاب الجہاد)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو معاہد پر ظلم کرے گا قیامت کے روز میں خود اس کے خلاف مستغیث ہوں گا۔ (کتاب الجہاد۔ ابوداؤد)

دورِ نبوت اور خلافتِ راشدہ میں ذمیوں سے کئی معاہدے ہوئے۔ یہ دور تاریخ اسلام کا سنہری دور ہے جس میں عدل و احسان کا دور دورہ تھا، اور اسلام سیاسی و معاشی پہلوؤں پر مکمل طور پر چھایا

ہوا تھا۔ حیرہ، بحرین، دومۃ الجندل، اذرح، مصر اور خراسان کے غیر مسلموں سے کئے گئے معاہدے اسی یادگار دور کی یادگار ہیں۔ چنانچہ علامہ ابو عبید قاسم "کتاب الاموال" میں معاہدین کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"ان کے ساتھ (معاہدین کے ساتھ) ان شرائط کے مطابق معاملہ کیا جائیگا جو معاہدے میں طے پا چکی ہیں، ان کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔"

ایک قابلِ ذکر معاہدہ اہلِ فدک سے ہوا جس میں قرار پایا:

"یہ لوگ، (اہلِ فدک) آزاد ہوں گے اور اپنی نصف زمین اور آدھے نخلستان کے مالک ہوں گے اور رسول اللہ (اسلامی حکومت) کے لئے ان کی زمین اور نخلستان کا آدھا حصہ ہوگا۔"

حضرت عمرؓ نے جب ان لوگوں کو فدک سے نکالا تو زمینوں اور نخلستانوں کی قیمت ادا کی، ان لوگوں سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

نصاریٰ بنی تغلب سے عہد فاروقی میں معاہدہ ہوا، چونکہ بنی تغلب عرب تھے اور جزیہ ادا کرنا کسرِ شان خیال کرتے تھے۔ مویشی وغیرہ نہیں پالتے تھے، البتہ کھیتی باڑی پر گزر اوقات تھی، ان پر جزیئے کی بجائے صدقہ مقرر کیا گیا اور اس کی مقدار اصل شرعی مقدار سے دگنی رکھی گئی۔

نصاریٰ بنی تغلب سے کئے گئے معاہدے سے دو باتیں عیاں ہیں کہ بعض اوقات جزیہ معاف بھی ہو سکتا ہے، بشرطیکہ بیت المال پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو۔ بعض گروہوں کی تالیفِ قلب اور انہیں دشمنوں کے لئے مفید مطلب ہونے سے بچانے کی خاطر نرم شرطیں بھی قبول کی جا سکتی ہیں۔

اہلِ نجران سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کیا جس میں اہلِ نجران کو درج ذیل حقوق و مراعات دیں:۔

۱۔ اہلِ نجران کے مذہب میں مداخلت نہ کی جائیگی، کسی پادری کو منصب سے ہٹایا جائے گا اور نہ کسی راہب سے تعرض کیا جائے گا۔

۲۔ اہلِ نجران کی ملکیت سے تعرض نہ ہوگا۔

۳۔ زمانہ جاہلیت کے کسی خون یا الزام کے بارے میں مطالبہ نہ ہوگا۔

۴۔ اہلِ نجران سے محصول جنگی نہ لیا جائے گا۔

۵۔ بیرونی حملہ آوروں سے مدافعت کی جائے گی۔

۶۔ ہر شخص خود اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا۔ کوئی دوسرا نہیں۔

۵۔ ان کے لئے بے لاگ انصاف ہوگا۔

ان حقوق و مراعات کے عوض اہلِ نجران نے اپنے ذمہ مندرجہ ذیل فرائض لیے:۔

۱۔ سالانہ دو ہزار حلّے (ایک حلّہ دو چادروں پر مشتمل ہوتا تھا۔) دیں گے۔ ایک ہزار رجب میں اور دوسرا ہزار صفر میں۔ اور ہر حلّے کی قیمت ایک اوقیہ (چالیس درہم یا ہمارے سکّے کے مطابق دس روپے) محسوب ہوگی۔

۲۔ اسلامی حکومت کے جو نمائندے نجران جائیں گے، بیس روز تک ان کی میزبانی اہلِ نجران کے ذمے ہوگی اور خراج کی تحصیل کے سلسلے میں ایک ماہ سے زیادہ نہیں روکا جائے گا۔

۳۔ جنگ کی صورت میں تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ بطور عاریت دیں گے جو سامان اسلامی ریاست عاریتاً لے گی، اس میں سے جو ضائع ہوگا اس کی ضامن ریاست خود ہوگی۔

یہ معاہدہ اہلِ نجران سے ہے جو سود نہیں کھائیں گے اور ذمہ داریاں نبھاتے رہیں گے۔

نقضِ معاہدہ: ہے اگر کبھی معاہدین ریاست کی سلامتی کے لئے خطرہ بن جائیں، دوسری ریاستوں سے ساز باز کرنے لگیں اور در پردہ اسلامی ریاست کی تباہی کے منصوبے بنا رہے ہوں تو معاہدہ کالعدم ہو جائے گا۔ اور اسلامی ریاست ان لوگوں کو سزا دے گی۔ خلافتِ فاروقؓ میں "عرب السوس" جنگ معاہدین کے بارے میں جب معلوم ہوا کہ وہ اسلامی ریاست کے وجود کیلئے باعثِ خطرہ ہیں تو حضرت عمرؓ نے ان کے سامنے دو شرائط رکھیں۔

۱۔ اپنی ہر بکری، ہر اونٹ اور ہر شے کے عوض دوگنی لو اور ترکِ وطن کر جاؤ ــــ یا

۲۔ معاہدہ کالعدم ہے اور سال کے بعد نکال دیے جاؤ گے۔

انہوں نے پہلی صورت پر عمل کیا اور دوگنی مالیت لیکر اسلامی ریاست کو چھوڑ گئے۔

مفتوحین یا اہلِ عنوۃ کے حقوق فقہا نے واضح طور پر ترتیب دئے ہیں۔

۱۔ جب امام ان سے جزیہ وصول کر لیتا ہے تو ان کی جان و مال، عزت و عصمت اور مذہب محفوظ ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کو لکھا تھا:

"جب تم ان سے جزیہ قبول کر لو تو تمہیں ان پر دست درازی کا حق حاصل نہیں

(کتاب الخراج)

۲۔ جزیہ کی مقدار ان کی مالی حالت کے مطابق وصول کی جائیگی۔ امیروں سے زیادہ اور غریبوں سے کم۔ اور اگر کوئی ذمی اس قدر غریب و مفلس ہو کہ جزیہ ادا نہ کر سکتا ہو تو اس پر سے جزیہ ساقط ہو سکتا ہے۔

۳۔ جزیہ صرف ان لوگوں پر عائد ہوگا جو اہل قتال میں یعنی فوجی خدمات انجام دینے کے اہل ہیں۔ غیر اہل قتال یعنی عورتوں، دیوانوں، راہبوں، خانقاہوں کے پجاریوں اور ازکار رفتہ لوگوں پر جزیہ نہیں ہوگا، ایسے بیمار جن کی بیماری ایک سال سے زائد ہو جائے، جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دئے جائیں گے۔

۴۔ معابد اور خانقاہیں محفوظ رہیں گی۔

اب اہل ذمہ کے عام حقوق کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ذمیوں کے عام حقوق | ۱۔ حفاظت جان ـــ اسلام نے جو تصور انسانیت پیش کیا ہے اس میں انسانی جان کی اہمیت قرآن کی آیت سے ظاہر ہے،

"جس نے ایک فرد کو قتل کیا اس نے انسانیت کو تہ و بالا کر دیا، اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے انسانیت کو بچایا۔" (پ۶۔ البقرہ)

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔ (بنی اسرائیل۔ ۳۳) "قتل نفس کا ارتکاب مت کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، مگر حق کے ساتھ۔"

اس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ ہر انسان کو اس حق سے برابر استفادہ کا موقع دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ذمی کے خون کی قیمت اور دیت مسلمان کے خون کے برابر ہے جسطرح مسلمانوں کے قاتل کا قصاص ضروری ہے، اس طرح ذمی کے قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا جس کے بدلے میں قاتل سے قصاص لیا گیا۔ (الفاروق۔ شبلیؒ)

طبرانی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک مسلم لایا گیا جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا، تحقیق سے اس پر الزام ثابت ہو گیا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا بعد میں مقتول کے بھائی نے آکر کہا کہ میں نے قاتل کو معاف کیا حضرت علیؓ نے فرمایا "شاید انہوں نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہو" اس نے کہا: نہیں اب تو مجھے میرا بھائی ملنے سے رہا اور ان لوگوں کی پیشکش میں نے قبول کر لی ہے۔

آپ نے فرمایا: اس بات کا تمہیں اختیار ہے، ورنہ ہم لوگوں کے ذمہ ہے کہ تمہارے خون ہمارے خون کے برابر ہیں۔ اور ان کی دیت (خون بہا) ہماری دیت کے برابر۔

۲۔ عزت و ناموس کی حفاظت ـــ ذمی کو ہاتھ یا زبان سے تکلیف پہنچانا، اس کو گالی دینا، مارنا پیٹنا یا اسکی غیبت کرنا اسی طرح ناجائز ہے جسطرح مسلمان کے حق میں یہ افعال ناجائز ہیں۔

کیمبرج کے پروفیسر وگری (WIDGERY) لکھتے ہیں :

Islam is the religion of peace which comes by Submission of God. [۱]

اگر کوئی ذمی جزیہ ادا کرنے سے انکار کر دے اور معاہدہ توڑ ڈالے تو اسے قتل نہیں کیا جا سکتا۔

ماوردیؒ رقمطراز ہے :

"اگر کوئی ذمی جزیہ کی عدم ادائیگی کے ذریعے معاہدہ توڑ دے تو اسے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ جائداد سے محروم کرنا، اس کے بچوں کو ہتھیا لینا قانون کے مطابق نہیں۔ جب تک وہ خود تشدد پر اتر نہ آئے ۔۔۔۔ ایسے معاہدہ توڑنے والوں کو ریاست چھوڑ دینے کا حکم دیا جا سکتا ہے۔" (احکام السلطانیہ)

پروفیسر آرنلڈ لکھتا ہے :

"جزیہ کے محصلین کو نرمی برتنے کی تلقین کی جاتی ہے اور تند خوئی سے روکا جاتا ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں جسمانی سزا سے منع کیا جاتا ہے۔" (اشاعت اسلام ص۳۳)

اسلامی حکومت نے بھاری ٹیکسوں کی بجائے موزوں اور مناسب ٹیکس "جزیہ و خراج" عائد کئے، ایرانی اور بازنطینی حکومتوں نے کسانوں پر بھاری ٹیکس عائد کر رکھے تھے، لیکن اسلامی حکومتوں نے انکا یہ بوجھ ہلکا کر دیا۔ پروفیسر بٹلر لکھتا ہے :

There is no reason for discrediting the plain statement of the muslim historians that upon the muslim Conquest, the burden of Taxation was lightened. .... Arab rule brought the Egyptians a great relief of Taxation." (Arab Conquest of Egypt - P.453 [۲]

---

[۱] ترجمہ :- اسلام دین امن ہے جو خدا کی اطاعت و تسلیم سے قائم ہوتا ہے۔

[۲] ترجمہ :- مسلمان مؤرخین کے اس واضح بیان کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کی فتوحات سے محاصل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا ۔۔۔۔ عرب حکمرانی، مصریوں کے لئے محاصل میں ایک راحت ثابت ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے دور میں ہرکولیس رومی نے ایک ٹڈی دل جمع کیا اور مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے دستوں کو روکنا چاہا۔ اس موقع پر مسلم جنرل ابو عبیدہ نے شام کے ذمیوں کو لکھا:

"ہم تمہیں وہ رقم واپس کرتے ہیں جو تم سے حاصل کی تھی چونکہ ہم نے سنا ہے کہ ایک مضبوط فوج ہمارے خلاف آگے بڑھ رہی ہے۔ چونکہ ہمارے درمیان معاہدہ یہ ہے کہ ہم آپ کی حفاظت کریں گے، اور یہ اب ہمارے بس میں نہیں ہے، لہذا رقم واپس کرتے ہیں۔ اور اگر ہم کامیاب ہوئے تو پہلے جیسا ہی معاہدہ رہے گا۔"

ابو عبیدہؓ کے اس خط پر عیسائیوں کا جو ردِ عمل ہوا آرنلڈ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"ابو عبیدہؓ کے اس خط پر عیسائیوں نے کہا" خدا تمہیں ہم پر دوبارہ حکومت عطا کرے اور آپ رومیوں پر فتح پائیں، وہ ہمیں کچھ بھی واپس نہ دیں گے۔ اور سب کچھ لے لیں گے جو ہمارے پاس ہے" (اشاعتِ اسلام ص۳۵ — آرنلڈ)

محمد بن قاسم ہندوستان وارد ہوا اور اپنی اعلیٰ انتظامی و عسکری صلاحیتوں کے طفیل ایک مسلم حکومت قائم کر دی، اہلِ ہند سے جزیہ وصول کیا۔ تاہم محمد بن قاسم کی وفات پر اہلِ سندھ نے آہ و زاری کی، اور اس کا مجسمہ بنایا۔ اشتراکی مؤلف ایم۔ این رائے لکھتا ہے:

Mohammad bin Qasim conquered Sindh with the active assistants of Jats and other agricultural communities oppressed by the Brahmin rulers. [1]

(Historical role of Islam P-96)

غیر مسلم مؤرخین کی شہادتوں سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کو کس قدر آسائشات مہیا کیں اور ان کی عزتِ نفس کو کیا مقام دیا۔؟

۳۔ پرسنل لاء کی آزادی —— اسلامی ریاست میں ذمیوں کو پرسنل لاء میں مکمل آزادی حاصل ہے، چاہے وہ اسلام کے بالکل مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً نکاح بلا مہر، عدت کے دوران میں شادی۔

---

[1] ترجمہ: محمد بن قاسم نے جاٹوں اور دوسرے ان زرعی گروہوں کی مدد سے سندھ پر فتح حاصل کی جنہیں برہمن حکمرانوں نے شکنجوں میں کسا ہوا تھا۔

محرمات کے ساتھ نکاح ۔ اگر وہ جائز تصور کرتے ہوں تو ان کے لئے یہ سب محرمات جائز ہونگے۔ ذمیوں کے لئے ایسا طرزِ عمل خلافت راشدہ میں جاری رہا ہے۔

اگر کسی مقدمے میں ایک فریق مسلمان ہو تو پھر مسلمانوں کے قانون کے مطابق عمل ہوگا، مثال کے طور پر اگر ماوردی کا مسلمان خاوند فوت ہو جائے تو اُسے نکاح بلا عدت کی اجازت نہ ہوگی لکھتا ہے:

"اگر غیر مسلم رعایا اپنے مقدمات اپنے سرگروہ کے پاس لے جائے تو انہیں اجازت ہے۔" (الاحکام السلطانیہ)

۴۔ آزادیٔ مذہب ——— اسلامی ریاست کی حدود میں ہر فرد کو مذہبی آزادی حاصل ہے، اسلام کا اصول ہے: لااکراہ فی الدین۔ (بقرہ) یعنی دین میں جبر و اکراہ نہیں ——— ذمی اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، انکی مذہبی خانقاہیں اور معابد قائم رہتے ہیں، تہوار منانے میں کوئی پابندی نہیں، پروفیسر آرنلڈ نے تاریخ اسلام سے گرجا گھروں کی تعمیر کی کئی مثالیں پیش کی ہیں۔

۵۔ فوجی خدمات سے استثناء ——— ملک کی حفاظت کا ذمہ صرف مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔ ذمی رعایا صرف "جزیہ" ادا کرتی ہے، اگر ذمی خود اپنی خدمات پیش کریں تو وہ جنگ میں حدودِ ملک کی حفاظت کیلئے لڑائی میں حصہ لے سکتے ہیں۔ جزیہ کی اصل حیثیت ہی فوجی خدمات سے استثناء کا ٹیکس ہے۔

مندرجہ بالا حقوق کے علاوہ موجودہ دور کے تقاضوں کے پیش نظر ذمیوں کو اسلامی ریاست یہ حقوق بھی دے سکتی ہے:

۱۔ حق رائے دہندگی | اسلامی ریاست کے خلیفہ یا سربراہ کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے اور صرف مسلمان ہی اسکی مشاورت کے فرائض انجام دے سکتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ خلیفہ کی مجلس شوریٰ کی نمائندگی کسی ذمی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ البتہ پارلیمنٹ میں ان کے مسائل کے حل کے لئے نمائندگی دی جا سکتی ہے، لوکل باڈیز میں، جہاں مقامی ضروریات میں انکی رائے ضروری ہو ان کے نمائندے شریک ہو سکتے ہیں۔

۲۔ ثقافتی خود اختیاری۔ | ذمی گروہوں کو اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ باہم اپنی مجالس ثقافت و علم بنالیں اور اپنے مسائل اسلامی ریاست کے اہل حل والعقد کے سامنے پیش کریں۔ ■■

> اگر ہم اسلام کا معاشی نظام قوم کے سامنے پیش کر دیں تو پھر یہ لوگ کبھی بھی سوشلزم کا نام نہ لے سکیں گے۔ درد کا علاج اسلام میں مل جائے تو اوروں کے پاس جانے کی کیا ضرورت

علماء حق کا فریضہ اور مقام

دعوت و عزیمت

ہماری جماعت
کونسا نظام
چاہتی ہے؟

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قائد جمعیۃ العلماء اسلام

۱ارشعبان کو حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اپنے دورۂ پشاور کے دوران دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے نماز ظہر کے بعد دارالعلوم کی مسجد میں خطاب فرمایا۔ اس سے قبل ربیع الاول میں بھی ایک سفر کے دوران حضرت مفتی صاحب نے اپنی ایک تقریر میں علماء حق کے فرائض اور جمعیۃ کے معاشی اور سیاسی پروگرام پر روشنی ڈالی تھی۔ ہم آج کی فرصت میں علماء اور اہل علم کے فرائض سے متعلق ان ہر دو تقریروں کا کچھ حصہ پیش کر رہے ہیں جمعیۃ کے معاشی پروگرام سے متعلق تقاریر کا حصہ اہل علم کے غور و فکر کیلئے پھر کسی فرصت میں پیش کیا جائے گا۔ —— ادارہ ——

میرے طالب علم بھائیو! میں آج اس عظیم دینی درسگاہ میں آپ سے ملاقات کر رہا ہوں، یہ دارالعلوم دارالعلوم حقانیہ ہم سب مسلمانوں کا ایک مشترکہ دینی سرمایہ ہے، اللہ تعالیٰ اس مدرسہ اور سب مدارس دینیہ کو ترقی عطا فرمائے، یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کی حفاظت فرماتے ہیں، تقسیم کے بعد دینی علوم کی حفاظت کا منظر بظاہر اسباب کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس پر دین کی حفاظت ہو جاتی۔ ملک تقسیم ہوا، دارالعلوم دیوبند سہارنپور، دہلی کے بڑے بڑے درسگاہ وہاں رہ گئے، اور پاکستان میں ایک بھی بڑا مدرسہ نہ تھا، تو اللہ تعالیٰ کے وعدۂ حفاظت کے مطابق ان علاقوں میں یہ مدارس عربیہ قائم ہوئے، اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان میں جو بڑے بڑے مدارس موجود ہیں ان میں سرفہرست دارالعلوم حقانیہ نے اکابر کی

سرپرستی کے تحت بالخصوص شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ العالی کے اہتمام میں بہت جلد ترقی کی اور آج یہ ایک باغ ہے جس کا پھل سارے ملک بلکہ بیرونِ ملک افغانستان و ایران میں لوگ کھاتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں، میں آپ کو اس عظیم دینی ادارہ میں علم حاصل کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ ایک صحیح اور علمائے حق و مسلک اہل سنت سے وابستہ ادارہ میں اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں ۔۔۔ ہم جو یہاں آتے ہیں تو اسے اپنا گھر سمجھ کر۔ اور اپنے گھر میں انسان ہر وقت آتا ہے۔

علمائے حق کا فریضہ اس وقت میں یقیناً بہت تھکا ہوں، مگر دل چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ کچھ باتیں کروں۔ بھائیو! آپ اپنے گھر بار چھوڑ کر یہاں آئے تو آپ کے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہے کہ دینی علوم حاصل کریں کیونکہ اس وقت آپ پر تمام عہدے اور منصب بند ہیں، فراغت کے بعد تمہیں اس ملک میں نہ جج کی کرسی ملے گی، نہ قاضی و مفتی کا کوئی مقام حاصل ہوگا، پچھلے زمانہ میں علماء کو ہر قسم کے عہدے اور منصب حاصل تھے، تو بعض طلبہ کی نیت اچھی اور بعض کی بری ہو سکتی تھی، اور یہ تقسیم نیات کی بناء پر شاید وہاں صحیح ہو سکتی کہ: انما الاعمال بالنیات ۔۔ الخ مگر اس وقت میرا یقین ہے کہ شاید ایک طالب العلم بھی اس مدرسہ میں ایسا نہ ہو جس کی نیت تحصیل علم سے حصول دنیا ہو۔ حدیث میں آتا ہے کہ وہ شخص جو تحصیل علم میں لگا ہے، جس سے صرف رضائے الٰہی حاصل ہو سکتی ہے، پھر بھی وہ اسے دنیاوی اغراض کیلئے حاصل کرے، ایسے شخص پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہوگی۔ مگر آپ تو دینی اغراض سب منقطع ہو گئے ہیں، مگر آپ یہ سمجھ لیں کہ اس زمانہ میں دین پر ایک بڑا تنگ اور سخت وقت آیا ہے۔ دین پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ ملحدین، یورپ کے مستشرقین اور ارباب اقتدار درحقیقت سب دین پر حملہ آور ہو رہے ہیں، آج دین مجروح اور مظلوم ہے اور امداد کے لئے مسلمانوں کو پکار پکار کر بلا رہا ہے، تو دین کی امداد تو سب کو کرنی ہے، مگر طلباء و علماء دین کا خاص طور سے فریضہ ہے کہ دین کی حمایت کریں اور اس راہ میں نقصان کو نقصان نہ سمجھیں کیونکہ ہم دین کے نام پر کھاتے ہیں دین کی خدمت کے نام پر ہماری ساری آمدنی ہمارے گھروں میں بسنے والوں کے جسم کا کپڑا اور لباس دین کے نام پر ہے کہ اس خدمت کی وجہ سے ہمیں حاصل ہوتا ہے، حتیٰ کہ یہ لوگ جو ہماری عزت واحترام کرتے ہیں یہ بھی دین کی وجہ سے ہے ایک عالم، اجنبی اور نابلد کسی گاؤں پہنچ جائے اور ان لوگوں کو صرف یہ معلوم ہو کہ یہ عالم دین ہے تو اس کا احترام اور مہمانی محض دین کی وجہ سے ہوتی ہے، تو ایسے لوگوں کا تو فرض ہے کہ دین کی حمایت و حفاظت میں اپنی جان تک قربان کر دیں، تو اگر آپ نے بعد از فراغت دین کی خدمت نہ کی اور تمام فتنوں اور ملحدین کے مقابلہ میں سینہ سپر نہ ہوئے تو یاد رکھئے کہ تم نے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت

بھی ضائع اور برباد کردی اور یہ زندگی کچھ زندگی نہیں جب مرنا یقینی ہے۔ تو جو موت دین کی حمایت میں آجاتے شہادت کی موت ہے اور ہزار درجہ گھر کی چارپائی پر مرنے سے بہتر ہے۔ تو آج مضبوط عزم اور قلب سے طے کرلو کہ ہمارے سامنے سوائے دین کی حفاظت کے اور کچھ نہ ہوگا۔

مقام دعوت و عزیمت آج عام طور پر ایک تاثر ہے علماء اور عوام دونوں میں کہ تقویٰ اور تقدس طہارت اور بزرگی کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ انسان گھر یا حجرہ اور مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے، کسی سے کام نہیں، سیاست میں دخل نہیں دیتا، ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہے۔ لیکن میں آپ سے یہ کہوں گا کہ بزرگی درحقیقت اتباع سنت کا نام ہے، نبی کریم علیہ السلام کی زندگی پر کسی نے عمل کیا وہی طریقے اختیار کئے تو یہی بزرگی ہے، اب دیکھئے کہ ہمارے حضورؐ صرف حجرہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ؟ یہ بالکل صحیح ہے کہ آپؐ اللہ کی عبادت کرتے تھے، رات بھر کھڑے رہتے یہاں تک کہ حتیٰ تورمت قدماہ قدم مبارک سوجھ جاتے، پاؤں پھٹ جاتے، سجدہ میں پڑے رہتے اور سجدہ میں اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اقرب مایکون العبد الی ربہ فی السجود — یہ بالکل صحیح ہے۔ مگر نبی کریم اس کے ساتھ ساتھ بدر کے مقام پر فوجوں کے کمانڈر بھی تھے، غزوہ احد میں تمام ساتھیوں کو خاص خاص مقامات پر متعین کیا اور ایک بڑا سے بڑا فوجی ماہر اس سے بہتر مقامات کا تعین نہیں کرسکتا جو حضورؐ نے فرمایا ——

حضورؐ کفار کا مقابلہ بھی کرتے تھے، ان کے وفود سے بھی ملتے تھے، قیصر روم وغیرہ کو سفراء بھی بھیجتے تھے، دحیہ کے ہاتھ مختصر پیغام بھیجا اَسْلِمْ تَسْلَم۔ اگر اطاعت قبول نہ کی تو بچنا مشکل ہے، حضورؐ کے بڑی بڑی حکومتوں سے تعلقات بھی تھے، صحابہ کرام سے امور ملکی میں مشورے بھی فرماتے، عشاء کے بعد حضرت صدیقؓ کے ساتھ خصوصی مشورے تمام مسلمانوں کے نظم کے سلسلہ میں لیا کرتے، حضرت عمرؓ بھی ساتھ ہوتے، ان تمام امور کا کنٹرول کرنا اور صالح نظام ملک میں قائم کرنا ملک سے مفاسد، الحاد و زندقہ بے دین کے ہر نظام کا مقابلہ اور اُسے شکست دینا یہ بھی حضورؐ کا کام رہا — اب اگر کوئی شخص نماز چھوڑ دے تو فاسق ہے کہ اس نے فرض چھوڑ دیا، یہی شخص جو نماز روزہ حج کی پرواہ نہ کرے اور جہاد کرتا رہے، اور ایمانی جذبہ کی بیداری میں کئی تحریکوں میں ایسے لوگ میدان جہاد میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ مگر اعمال صالحہ میں کمزور ہوتے ہیں مگر نظام عبادات کے تارک ہونے کی وجہ سے وہ شخص فاسق ہے۔ اسی طرح ایک شخص نماز روزہ حج کرتا ہے، تہجد گذار بھی ہے مگر باطل نظام بے دینی کی اشاعت اور باطل کی قوت دیکھتا ہے،

مگر اس کے مقابلہ کے لئے میدان میں نہ اترے اور ہو عالم جبکہ اس پر تو فرض عین ہوتا ہے، فرض کفایہ نہیں ہے بے دینی کی رفتار جتنی تیز ہو اس کا مقابلہ بھی اسی تیزی سے ہونا چاہیئے مگر یہ شخص اس سے بے پرواہ ہو، بدن میں رگوں میں حرکت نہ آئے گویا سراسر بے غیرت ہو جائے کہ دین کی شکست اور بے دینی کی اشاعت پر بھی اس میں حرارت نہیں آتی۔ تو ایسا غازی بھی جو تارک فرض (امر بالمعروف ہے) ہے، اسی طرح فاسق ہے، جسطرح وہ غازی جو جہاد کرتا تھا، مگر نماز روزہ نہیں پڑھتا تھا، کیا فرق ہے ایک فرض اس نے اور ایک فرض اس نے ترک کیا ـــــ یہ ناممکن ہے کہ پوری اتباعِ سنت نہ ہو اور دل میں نور آجائے، ولایت حاصل ہو، یہ نور نہیں ظلمت ہے، یہ استدراج ہے، تو صاف ستھری بات تو یہ ہے کہ اہل علم سوچ لیں کہ اگر باطل کا نظام ختم نہ کیا اور حجروں میں بیٹھے رہے تو اس سے جنت حاصل نہ ہو سکے گی۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم۔ (الآیۃ) یہ دنیا امتحان کی ہے، محنت اور کوشش کرنی ہے۔ آرام سے بیٹھنے سے جنت نہیں ملے گی، ہر بے دین کا مقابلہ کرو گے، میدان میں نکل آؤ۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس فاسق شخص کو تارک عبادات ہے مگر جہاد کرتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کو کچھ نہ کچھ احساس اپنی بے دینی کا ہو جائے اور آخری وقت میں نماز روزہ کی کمی محسوس کرے، توبہ کرے اور اللہ بخشدے مگر اہل علم تو اس گھمنڈ میں ہوتے ہیں کہ ہم تو دن بھر عبادت میں مشغول ہیں، اللہ اللہ کرتے ہیں، یہ تو جنت میں اپنے لئے خیمے گاڑے ہوئے دیکھتا ہے۔ تو اسے اس کوتاہی کا شعور اور کمی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ تو یہ تو بے توبہ مر جائے گا، اور وہ دوسرا شخص جنت میں پہنچ جائے گا ـــــ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ اس وقت جمعیۃ العلماء اسلام اکابر علماء کی وہ جانشین جماعت ہے جیسے حضرت مولانا درخواستی صاحب جو نمونۂ اسلاف ہیں۔ یا ان جیسے دیگر اکابر کی قیادت حاصل ہے اس جماعت کا مقصد صرف اسلام ہے۔ یہ چاہتی ہے کہ اس ملک میں اسلام کا جامع نظام سیاسی ہو یا معاشی، قانونی ہو یا معاشرتی تمام نظام اس ملک میں اسلام کے اصولوں پر جاری کر دیا جائے، مگر بعض لوگ ان علماء کو بدنام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سوشلزم کے حامی ہیں۔ میں ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ علماء کی یہ جماعت اسلام کے سوا ہر ازم، ہر نظریہ، اور ہر گروہ پر

> میں ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ علماء کی یہ جماعت اسلام کے سوا ہر ازم، ہر نظریہ، اور گروہ پر لعنت کہتی ہے۔

لعنت کہتی ہے ، علماء کا مطالبہ اسلام کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ؟ یہ جماعت اس ملک میں یہی چاہتی ہے کہ دین کا نظام اس ملک میں قائم ہو ، اللہ کا کلمہ بلند ہو ـــ

ان حالات میں جمعیۃ العلماء اسلام نے یہ محسوس کیا کہ سوشلزم کے نعرے جو درحقیقت اس وقت تک غلط اور ظالمانہ نظام کے ردعمل کا نتیجہ ہے کہ بعض لوگوں نے مزدور اور غریب و کسان کے نام پر تحریک شروع کی ، مزدور کی غربت اور اضطراب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں اپنے جھنڈے تلے جمع کرنا چاہا کہ آئیے بڑے سرمایہ دار اور جاگیر داروں سے چھین کر تمہیں زمین کارخانے سب دیدیں گے ، تمہیں بڑی بڑی تنخواہیں دیں گے ۔ غریبوں کے دلوں میں بعض آقاؤں کے خلاف جذبہ تو ضرور موجود ہے ۔ ملازم اور مزدور سے ہوتا ہے ، اخلاقی لحاظ سے کہ ملازم آقا کے برتن میں پانی نہ پی سکے ۔ اس بستر ، کرسی اور چارپائی پر اسکا بیٹھنا حرام ہو ۔ الغرض ایسا سلوک

> سوشلزم ، سرمایہ دارانہ نظام کا ظالمانہ ردعمل اور ایک فریب ہے ، خود غرض لوگ غریبوں سے غلط فائدہ اٹھا کر انہیں جمع کر لیتے ہیں ۔

تو حیوانات سے بھی نہیں ہو سکتا ہے ـــ تو ایسے لوگوں میں سرمایہ دار آقاؤں کے خلاف جو جذبہ موجود ہے خود غرض اسی جذبے سے غلط فائدہ اٹھا کر انہیں جمع کر لیتے ہیں ۔ یہی سوشلزم ہے ـــ

اسلام میں موجودہ مروجہ سرمایہ داری نظام اور ناجائز زراندوزی کی گنجائش نہیں ، حدیث میں ہے کہ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں ۔ اگر اللہ نے انہیں تمہارے ہاتھوں میں دیدیا تو ان کے ساتھ کھانے پینے پہننے میں وہی سلوک کرو جو اپنے ساتھ کرتے ہو اور ایسے کام ان کے سپرد نہ کرو جنہیں غریب نہ کر سکیں ۔ یہ لوگ امانت دار بھی ہوتے ہیں اور اخلاق میں بھی اونچے مگر ان کا جرم یہ ہے کہ یہ غریب ہیں ـــ لیکن اگر ہم اسلام کا معاشی نظام قوم کے سامنے پیش کر دیں تو پھر یہ لوگ کبھی سوشلزم کا نام نہ لے سکیں گے ، جب درد کا علاج اسلام میں مل جائے تو اوروں کے پاس انہیں جانے کی کیا ضرورت ہے ۔

> حضرت مولانا قاری محمد امین صاحب مہتمم جامعہ عثمانیہ راولپنڈی (رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم حقانیہ) ممتاز عالم دین ہیں ، احباب اور اعزہ کے اصرار پر انگلینڈ کے تبلیغی سفر پر تشریف لے گئے ہیں ۔ الحق اپنے برطانیہ کے قارئین ، احباب اور دیگر واقفین و متعلقین دارالعلوم حقانیہ سے توقع رکھتا ہے کہ مولانا موصوف کا پوری گرمجوشی سے خیر مقدم کریں گے اور انکے فیوضات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ حاصل کریں گے ۔ "سمیع الحق"

ملفوظات حضرت مولانا الشیخ عبدالغفور العباسی
مہاجر مدینہ قدس سرہ

مدنی شیخؒ کی مجلس میں

— مرتب —
سمیع الحق

★ فرمایا اللہ تعالیٰ کی شان ہے، جسطرح چاہیں مظاہرۂ قدرت فرماویں، فرمایا کہ یہ دنیا فانی ہے، حیات مستعار ہے۔ چند لحظات ہیں، کوئی بھروسہ نہیں، موت سر پر کھڑی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، وہ اپنے بندوں کی پاکی چاہتے ہیں کہ میرے بندے پاک ہوکر میرے پاس آئیں، جنت میں پاک لوگ جائیں گے۔ آپ لوگ حج و زیارت کرنے اس غرض سے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پچھلے گناہ معاف کردے اور آئندہ پاک صاف رہیں، تو یہ باطن کا غسل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ۔ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوا۔) جسطرح بدن سے میل کچیل کی صفائی صابن پانی سے ہوتی ہے، ایسے ہی دل کی صفائی توجہ (الی اللہ) سے ہوتی ہے، ان تمام طرق اور صحبت اہل اللہ اور ارشاد و تلقین کا مقصد یہی ہے کہ شریعت پر عمل اور اخلاص نصیب ہو، نہ اڑنا مقصد ہے، نہ اڑانا، نہ سمندروں کے اوپر تیرنا۔ یہ چیزیں تو مسمریزم بھی کراتا ہے، کوا بھی ہوا میں اڑتا ہے، اسے کوئی بھی ولی قطب یا غوث نہیں کہتا۔ اللہ تعالیٰ نے قدرت سے ہوا کو ان کے لئے مسخر کردیا ہے۔ مچھلیاں بھی سمندر میں تیرتی ہیں، اگر آدمی بھی ایسا کرنے لگے تو کیا کمال؟ بھینس، خچر بھی سمندر میں تیرتے ہیں، خدا نے ان کو تیرنا سکھا دیا ہے۔ "سمندر" نام کا ایک پرندہ ہے جو آگ کھاتا ہے۔ تفسیر جلالینؒ کے حاشیہ جمل میں اس کا ذکر ہے۔

★ مقصدِ زندگی تین چیزیں ہیں۔ ا۔ ذکرِ حق ۲۔ فکرِ حق ۳۔ رضائے حق۔ ذکرِ حق زبان سے فکرِ حق دل سے، اور ان دونوں کا مقصد بھی رضائے حق ہے، ذکر و فکر حق سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ عجیب نعمت ہے یہ صحبت اور سلوک، کوئی مانے نہ مانے کروڑوں لوگ اس راہ سے اپنے مقصد تک پہنچ گئے ہیں ———

★ مدینہ طیبہ کی مٹی بھی ایماندار ہے، اور مٹیوں کیطرح نہیں، کیوں نہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مجسّم چودہ سو برس سے اس میں آرام فرما ہیں، تو ذاتِ شریف کی برکت اس زمین کے رگ و ریشہ میں جاری ساری ہے، اعتقاد اور ادب کی ضرورت ہے۔

★ فرمایا اگر توسل (کسی کو وسیلہ بنانا) شرک ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں کیا۔؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اولیاء و انبیاء سے ثابت ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے: وکان رسول اللّٰہ یستفتح بصعالیک المھاجرین۔ (ای مفتراد المھاجرین) — (حضور اقدس مسکین اور فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے۔) ایسے موقع پر حکم مبدأ اشتقاق کی وجہ سے لگتا ہے، تو صفتِ فقر و ہجرت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر توسل کیا جب اعلیٰ ذات نے ادنیٰ پر توسّل کیا تو بطریق اولیٰ اعلیٰ پر توسل کر سکیں گے، اگر حیات میں اعمالِ صالحہ پر توسّل ہو سکتا ہے تو کیا بعد از وفات اعمالِ صالحہ فنا ہو جاتے ہیں۔ اگر حیاتِ مبارک میں توسّل توحید ہے تو بعد میں کس طرح وہ شرک بن جائے گا، دراصل یہ لوگ تصوّف کے منکر ہیں۔ اگر تصوّف کے جواز کے قائل ہوں تو توسّل کا قائل ہونا پڑے گا۔ یہ شجرات صوفیہ بحرمۃ فلاں وغیرہ الفاظ اسی توسل پر مبنی ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر توسّل کرتے تھے۔ اب ان کے چچا حضرت عباس پر توسّل کرتے ہیں، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بعد از وفات بھی توسل کرنا شائع اور ذائع تھا، اور معلوم و معروف تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اس طرف توجہ دلائی کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے ان کے عمِ محترم پر بھی توسل کر سکتے ہیں، نہ یہ کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قابلِ توسّل نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ کی سنّت پر چلنے کی توفیق دے، اگر قول و فعل عمل عبادات و معاملات سب سنت کے مطابق ہو جائیں تو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ باقی سب جھگڑے افراط و تفریط کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

★ راقم کے ہاتھ میں حضرت تھانویؒ کی مناجات مقبول دیکھ کر فرمایا: حضرت تھانویؒ شیخ وقت تھے، غزالی وقت تھے، خدا نے علم بھی دیا، فہم دیا، دین کی خدمت کی تالیفاً وعظاً اور تقریراً۔ ہر حیثیت سے خدا نے انہیں بڑا موقعہ دیا، بڑے کامل شخص تھے — میں نے تین وعظ حضرت کے سنے، شاہ گل والی مسجد (دہلی) میں یہ بات کہی کہ "جو کچھ سناتا ہوں، رنج نہ کرو، اوّل مخاطب میرا نفس ہوتا ہے، اور تم ثانیاً ہوتے ہو۔ اگر زبان پر سخت لفظ آجائے تو ناراض نہ ہوں۔ اس زمانہ میں جب تک الانسان عند الناس زندیق نہیں بنتا ہے، عند اللہ صدیق نہیں بنتا — یہ جملے مجھے ان کے یاد ہیں۔ مدرسہ عبد الرب والے دو وعظوں کے جملے یاد نہیں رہے۔ مولانا بندگوں میں سے تھے، اللہ والے

اور اپنے وقت کے امام تھے، علماء کے مشارب کے اختلاف میں ہمیں لب کشائی کا کوئی حق نہیں، صحابہؓ کا بھی سیاست میں اختلاف ہوا۔ مولانا تھانوی کے وقت مسئلہ خلافت بھی اجتہادی مسئلہ تھا، حضرت تھانویؒ اس کے حق میں نہ تھے، تو اور خدمت میں اسوقت مشغول تھے۔ ہمارا حسن ظن ہے سب کے بارہ میں تحریک شیخ الہندؒ کی تھی، ان کے اتباع بھی مجبور تھے اور اخلاص پر ان کے مساعی مبنی تھے۔

★ فرمایا: ہر زاہد اور فقیر کے لئے تین باتیں چاہئیں۔ ا۔ سخاوت کالبحر (سمندر جیسی سخاوت) ۲۔ تواضع کالارض (زمین جیسی عاجزی) جو بھی پھینکو برداشت کرے گی۔ ۳۔ شفقت کالشمس، جو عام ہو آفتاب کی طرح ——

★ حضرت گنگوہی مرحوم کا واقعہ ہے کہ کسی نے محبت کا تعویذ مانگا، انکار کیا مگر وہ نہ مانا۔ تو ایک پرزہ میں یہ تحریر فرما دیا کہ "یا اللہ میں جانتا نہیں یہ مانتا نہیں یہ تمہارا بندہ ہے، تم جانو اور یہ جانے" غرض تفویض الی اللہ (اللہ کو سپرد کرنا) سب سے بڑا تعویذ ہے، امام شعرانیؒ نے لکھا ہے کہ میرا ایک لڑکا تھا، وہ پڑھتا نہ تھا، مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں نے عبدالرحمٰن کو تیرے سپرد کیا، تم جانو اور یہ جانے۔ تفویض کا نتیجہ نکلا کہ وہ پڑھنے لگا، اور تھوڑے دنوں میں علمی نکات اور معارف اس کی زبان پر جاری ہوئے، تو انہوں نے تجربہ لکھا ہے کہ جو کام کرتا ہو اسے خدا کے سپرد کر دیا کرو، تو میرا بھی طریقہ ہے کہ کچھ نہیں کرسکتا تو خدا کے سپرد کرنے لگتا ہوں۔

★ حضرت حاتم اصمؒ نے فرمایا کہ چند باتوں پر عمل ضروری ہے۔ ا۔ ہر ایک کے ساتھ احسان کرو، اور احسان کی امید کسی سے نہ رکھو۔ ۲۔ کسی کو اذیت نہ پہنچاؤ، اور اگر تمہیں کوئی پہنچائے تو صبر سے کام لیتے رہو ——

★ فرمایا: علم دین اساس اور بنیاد ہے صفۃ اللہ (اللہ کی صفت) ہے۔ میراث انبیاء، مشعل راہ اور روح کی غذا ہے، حق و باطل کی تمیز اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ ورنہ غلط آدمی لیسا اوقات غلط راستہ پر لگا دے گا۔ صحیح طریقت اور سلوک وہ ہے جو کہ شریعت کے میزان پر پورا اترے، مثلاً اب اذان کے وقت کلمۂ رسالت سنکر بعض لوگ انگوٹھا چومتے ہیں، نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سنا اور انگوٹھا اپنا چوما تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا احترام و تعظیم ہوا، خدا کے بندو! یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انگوٹھا تو نہیں، ایسی محبت غلط ہے۔ یہ ناک اور پیشانی بھی شیخ کے ہاتھ پر لگانا سخت غلط ہے ——!

٭٭٭　٭٭٭　٭٭٭

اگلے شمارہ میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب مدظلہ (دیوبند) کی ایک نایاب غیر مطبوعہ تقریر ملاحظہ فرمائیں۔

بروایت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

گذشتہ سے پیوستہ

۵۰۔ فرمایا: حاجی صاحبؒ کے سامنے ایک بڑے متبحر عالم نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ ترکِ حیوانات کے ساتھ چلہ کھینچوں۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا۔ مولانا توبہ کیجئے بدعت ہے، حالانکہ یہ سائل بہت بڑے عالم اور محدث تھے، مگر انکی نظر اس پر نہ پہنچی۔ حالانکہ حاجی صاحب اصطلاحی عالم نہ تھے مگر عالم گر تھے۔ اسی لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ لوگ حضرت حاجی صاحبؒ کے مختلف کمالات سے معتقد ہیں، مگر میں علم کی وجہ سے معتقد ہوں۔ اصلی بات یہ ہے کہ جب قوتِ حاسہ درست اور صحیح ہو تو کھانے میں کتنا ہی باریک بال کیوں نہ ہو محسوس ہو جاتا ہے۔ اسی طریق سے جب فہم درست ہو تو حق و باطل میں فوراً امتیاز ہو جاتا ہے۔ حضرتؒ اپنے زمانہ میں صدیق اعظم تھے (جو بہت بڑا مرتبہ ہے ولایت میں) ہم لوگ اگر ترکِ حیوانات کو بدعت کہتے تو کچھ تعجب نہ تھا، کیونکہ رات دن درس و تدریس و افتاء کا شغل رہتا ہے، کتابیں دیکھ کر بدعت و سنت کا علم ہر ایک کو ہو سکتا ہے، مگر حضرتؒ تو درسی عالم بھی نہ تھے۔ حضرتؒ نے محض نورِ قلب اور ذکاوتِ فہم سے فوراً اسکو بدعت فرما دیا۔ (سلوۃ الحزین ص ۱۹)

۵۱۔ فرمایا: حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت حافظ ضامن صاحبؒ کا قصہ ہے۔ کہ ایک شخص نے جسکو کسی ظالم نے جائداد کے مقدمہ میں پریشان کر رکھا تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ سے کہا کہ میں اپنا حق ہی چھوڑ دوں، حضرتؒ نے فرمایا بہتر صبر کرو۔ حافظ صاحبؒ نے کہیں سن لیا اور بڑے زور

کے ساتھ اس سے منع کیا کہ ہرگز صبر نہ کرنا مقدمہ کرو، ہم صبر کریں گے، اور حضرت حاجی صاحبؒ کیطرف خطاب کیا کہ یہ آپ نے اسکو کیا بتلا دیا۔ آپ کے تو بیوی نہ بچہ، آپ نے تو دنیا کو چھوڑ دیا، وہ دنیا کو چھوڑے گا تو بیوی بچوں کا کیا حشر ہوگا۔ یہ بھی تو سوچ لیا ہوتا۔ یہ سن کر حضرت حاجی صاحبؒ خاموش ہوگئے اور اپنے حجرے میں تشریف لے گئے۔ (جلاء القلوب ملقب بہ جام جمشید ص۵۳)

۵۲۔ فرمایا: مولانا مولوی محمد منیر صاحبؒ بڑے ظریف تھے۔ فرماتے تھے ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ نانوتہ تشریف لائے، دو چار خادم بھی ہمراہ تھے اور ان پر کیفیات طاری ہو رہی تھیں۔ مولانا فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا حضرت یہ کیفیتیں ہم کو کبھی نصیب نہ ہوئیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ چاہتے ہو تو آؤ تم بھی بیٹھ جاؤ۔ مولوی صاحبؒ نے فرمایا اسطرح سے تو ہم کو منظور نہیں۔ مولوی صاحب نے بڑی فہم اور دانائی کی بات کہی۔ اس لئے کہ اس توجہ سے دو صورتوں میں سے ایک صورت پیدا ہوتی یا تو کچھ اثر نہ ہوتا تب تو فضول وقت ضائع ہوتا۔ اور اگر کچھ اثر ہوتا تو وہ پائدار نہ ہوتا۔ اس کے زوال کے بعد پھر حسرت اور افسوس اور زیادہ ہوتا یا اگر قوی توجہ ہوتی تو اندیشہ جسمانی ضرر کا بھی تھا۔ اگر کوئی کہے کہ توجہ سے مر جائیں گے تو کچھ پرواہ نہیں ایسی موت تو بہت اچھی ہے، مرنا وہی اچھا ہے جو طریقہ کے ساتھ ہو، اپنے ہاتھوں سے جان دینے سے کیا فائدہ اور یہ کوئی کمال نہیں۔ مقصود تو زندہ رہ کر اعمال صالحہ اور طاعت کرنا ہے۔ بہرحال اگر کوئی شخص ایسی توجہ دے بھی تو ہرگز نہ لو۔ (اسباب الفضائل ص۱۶)

۵۳۔ فرمایا: جناب پیرومرشد حضرت حاجی صاحبؒ کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ پیران کلیر سے واپس ہوتے ہوئے سہارنپور تشریف لائے، لوگوں نے آپکو ایک ایسے مکان میں اتروایا کہ وہاں ایک جن نے سخت آزار پہنچا رکھا تھا، حتیٰ کہ وہ مکان بالکل معطل چھوڑ دیا گیا تھا، جب حضرت رات کو اٹھے، دیکھتے کیا ہیں کہ ایک آدمی آیا اور سلام کیا۔ حضرتؒ نے تعجب سے پوچھا تم کون ہو، کیونکہ مکان بند تھا، اس نے عرض کیا میں ایک جن ہوں اور میری ہی وجہ سے یہ مکان خالی پڑا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا، تم کو خدا کا خوف نہیں کہ لوگوں کو تکلیف دیتے ہو۔ اس نے عہد کیا کہ اب میں تکلیف نہ دوں گا۔ اس کے بعد وہ جن اس مکان سے چلا گیا، اور وہ مکان آباد ہوگیا، تو یہ اثر جن پر حضرتؒ کی طاعت ہی کا تھا۔ (استخفاف المعاصی ص۱۲) سچ ہے ۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد از وے جن و انس ہر کہ دید

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے تو جن اور انسان اور جو بھی اسکو دیکھتے ہیں اس سے ڈرتے ہیں۔

۵۴۔ فرمایا: اس تعلق میں بعض اعتبارات سے معصیت اتنی مضر نہیں ہوتی، جتنی بے ادبی ہوتی ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ معصیت کا تعلق تو اللہ تعالیٰ سے ہے اور چونکہ وہ تاثر اور انفعال سے پاک ہے۔ اس لئے توبہ سے فوراً معافی ہوجاتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ویسا ہی تعلق پیدا ہوجاتا ہے، بخلاف اس کے کہ بے ادبی کا تعلق شیخ سے ہے اور وہ چونکہ بشر ہے، اس لئے طالب کی بے ادبی سے اس کے قلب میں کدورت پیدا ہوجاتی ہے۔ جو مانع ہوتی ہے تعدیہ فیض میں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے اسکی خوب مثال دی ہے کہ اگر کسی چھت کی میزاب کے مخرج میں مٹی ٹھونس دی جائے تو جب آسمان سے پانی برسے گا تو گو وہ چھت پر نہایت صاف اور شفاف حالت میں آئے گا، لیکن جب میزاب میں ہوکر نیچے بہے گا تو بالکل گدلا اور میلا ہوکر۔ اسی طرح شیخ کے قلب پر جو ملاء اعلیٰ سے فیوض و انوار نازل ہوتے رہتے ہیں، ان کا تعدیہ ایسے طالب پر جس نے شیخ کے قلب کو مکدر کر رکھا ہے، مکدر صورت ہی میں ہوتا ہے، جس سے اس طالب کا قلب بجائے منور و مصفا ہونے کے تیرہ و مکدر ہوتا جاتا ہے۔ (اشرف السوانح ج ۲ ص۱۱۱) اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشیؓ کو جنہوں نے حضرت حمزہؓ کو بری طرح قتل کیا تھا۔ اپنے سامنے آنے سے روک دیا کہ روز بروز دیکھ کر انقباض ہوگا، اور میرے انقباض سے ضرر ہوگا کہ فیوض و برکات سے حرمان ہو جائے گا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی ہی راحت کا سامان نہیں کیا بلکہ ان کی راحت کا بھی سامان تھا کہ انکو بعد میں ہی ترقی ہوسکتی تھی۔ دوسرے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بھی اس قسم کے امور طبعیہ اور جذبات بشریہ کی رعایت و موافقت کی اجازت دی اور بتلا دیا کہ مجرم کی خطا معاف کرنا اور ہے اور دل کھل جانا اور بات ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ خطا معاف کر دینے سے دل بھی کھل جائے۔ (کمالاتِ اشرفیہ ص۲۲) ■■

احمد سعید صاحب ایم اے (تاریخ) ایم اے (پولیٹیکل سائنس)

ہمارے اسلاف

استغناء اور بے نیازی
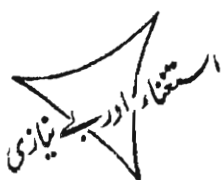
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا خلوص و محبت ضرب المثل تھا، دیوبند مدرسہ میں ۵۰/ روپے مشاہرہ پر ملازم تھے، مگر صرف دس روپے لیتے تھے، اس پر بھی اگر کوئی ملاقاتی آگیا تو گھڑی سامنے رکھ لیتے، اسطرح تمام ماہ میں جتنا وقت صرف ہوتا اپنے حساب میں لگا لیتے تھے۔

مولانا سید اصغر حسین صاحب جو کہ میاںجی کے نام سے مشہور ہیں، دیوبند کے ایک نہایت ہی برگزیدہ ہستی گذرے ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں، ان کا ایک کچا مکان تھا جسکی ہر موسم برسات میں لپائی کرتے تھے۔ اس عرصہ میں وہ میرے ہاں قیام کرتے، ایک مرتبہ مفتی صاحب نے فرمایا کہ آپ اپنا مکان پختہ کیوں نہیں کروا لیتے تاکہ ہر سال کی تکلیف سے نجات مل جائے۔ انہوں نے مفتی صاحب کو شاباش دیتے ہوئے کہا کہ واقعی نہایت اچھی بات کہی ہے، کچھ دیر بعد خاموشی سے آہستہ سے بولے "میں جس محلے میں رہتا ہوں وہاں سارے مکان کچے ہیں، اگر میں اپنا مکان پختہ بناتا ہوں تو غریبوں کو اپنی مفلسی کا احساس اور شدید ہو جائے گا، میں یہ نہیں چاہتا۔"

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ ایک مرتبہ سہارن پور سے کانپور جا رہے تھے ان کے پاس گنے زیادہ وزن میں تھے وہ چاہتے تھے کہ ان کا محصول دے کر گاڑی میں سوار ہوں۔ ریل بابو نے کہا کہ تھوڑے سے ہیں لے جاؤ، مولانا نے فرمایا کہ آپکی اجازت تو معتبر نہیں، پھر اگر کسی نے راستہ میں پوچھا، اس نے کہا کہ میں گارڈ سے کہہ دوں گا، مولانا نے پوچھا کہ گارڈ کہاں تک جائے گا، کہا کہ یہ گارڈ غازی آباد تک جائے گا، مولانا نے کہا کہ آگے کیا ہوگا۔ اس نے کہا کہ یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا، وہ کلکتہ تک جائے گا اور کانپور تو راستے میں پڑے گا۔ مولانا تھانوی نے فرمایا کہ کانپور کے بعد کیا ہوگا اس نے کہا کہ آپ کو تو کانپور جانا ہے۔ مولانا نے فرمایا "سفر ابھی ختم نہیں ہوا ہے، آخرت کا سفر ابھی باقی ہے، اگر وہاں پکڑ ہوئی تو پھر کونسا گارڈ سفارش کرے گا۔ اگر کوئی

اللہ تعالیٰ سے کہہ دے گا تو میں ضرور لے جاؤں گا۔"

مولانا محمد یوسف کی تعلیم و تربیت اس طریقہ پر کی گئی تھی کہ چھوٹی سے چھوٹی باتوں تک کا خیال رکھا گیا تھا۔ مولانا محمد یوسف نے فرمایا" ہماری اماں جی نے ہماری تربیت اسطرح کی کہ کوئی مہمان مٹھائی یا کیلے تحفہ میں لاتا اور میں انکی طرف دیکھتا تو مہمانوں کے جانے کے بعد اماں جی بڑی طرح پٹائی کرتیں کہ تم نے مٹھائی کی طرف گھور کر کیوں دیکھا۔ فرمایا" میں نے سوائے ایک دفعہ کے بازار سے ایک آنہ کی بھی مٹھائی نہیں کھائی تھی، وجہ یہ نہیں تھی کہ پیسے نہیں تھے، بلکہ وجہ یہ تھی کہ میں نے پیسے جمع کرنے کا ایک ڈبہ بنایا تھا، اور جو پیسے ملتے اس میں ڈال دیتا کہ ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی کتابیں خریدوں گا۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کے بھانجے کو خان بہادری کا خطاب عطا ہوا۔ اس زمانے میں خان بہادری کا خطاب بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا، چنانچہ اس تقریب کی خوشی میں بڑے بڑے عمائدین شہر کی دعوت کی گئی، خواجہ صاحب کے بھانجے خود بھی بہت اچھا لباس پہن کر، ایک لمبی سی دستار لمبا سا طرہ تھا، خواجہ صاحب کے سامنے سے گذرے، حضرت خواجہ صاحب نے ازراہ خوش طبعی فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

کیا شان دکھاتے ہو تم اے خان بہادر　　تم خان بہادر ہو ہم ایمان بہادر

شاعر اسلام علامہ اقبال سید علی امام کے متعلق فرماتے ہیں " سید علی امام صاحب کی مغرب زدگی کا یہ عالم ہے کہ ایک روز صبح کے وقت عرشہ جہاز پر کھڑے تھے، میں بھی ان کے ہمراہ تھا، میل و فرسنگ کا حساب کرکے کہنے لگے دیکھو بھائی اقبال اس وقت ہمارا جہاز ساحل مدینہ سے گذر رہا ہے یہ فقرہ ابھی پورے طور سے ان کے منہ سے نہ نکلا تھا کہ آنسوؤں نے الفاظ پر سبقت حاصل کی انکی آنکھ نمناک ہوگئی اور بے اختیار ہو کر بولے :

بلغ سلامی روضة فیها النبی المحترم

ان کے قلب کی اس کیفیت نے مجھے بے انتہا متاثر کیا ہے۔

مشہور قانون دان اور تاریخ نویس سید امیر علی ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں " کہ اس زمانے میں چھوٹے چھوٹے مقدمات میرے پاس آتے تھے، ایک روز عدالت میں ایک بوڑھی عورت پیش ہوئی جس پر خود کشی کا الزام تھا جسکی قانون میں سزا مقرر کی گئی تھی، میں نے اس سے دریافت کیا کہ وہ اپنی جان کیوں کھونا چاہتی ہے، اسکی داستان نہایت درد ناک تھی۔ اس کا لڑکا فوت ہو چکا تھا

باقی ص ۶۱ پر
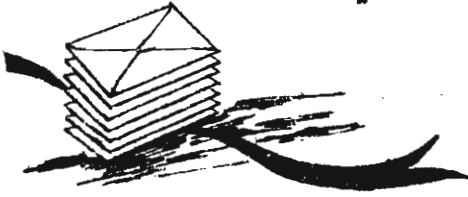
افکار و تاثرات

علماء دیوبند کا باہمی خلفشار — حضرت ایک انتہائی ضروری اور اہم ترین التماس یہ بھی ہے۔ کہ ایک ہی مسلک کے چوٹی کے علماء میں یہ اختلاف عوام کیلئے مہلک اور گمراہ کن ہے۔ اور ملحد و زندیق قسم کے لوگوں کیلئے انتہائی خوشی و مسرت کا باعث ہے۔ حضرت تو دونوں کے درمیان مصالحت کنندگان میں سے ایک ہیں، اس میں ہر ممکن مساعی سے دریغ نہ فرمادیں۔ اگر آپ حضرات کی مساعی سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، تو یہ ایک عظیم کارنامہ ہوگا۔ اور ملت اسلامیہ پر احسان عظیم ہوگا۔ اور اگر اس میں تھوڑی سی بھی کوتاہی روا رکھی گئی۔ تو اسکا جو نقصان ہوگا۔ اور اس کے جو اثرات ظاہر ہوں گے وہ اس قدر خطرناک اور بھیانک ہوں گے جس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی اخلاص و للہیت پر مبنی مساعی کو بار آور فرمادے، اور آپس میں اتفاق و اتحاد پیدا فرماکر اشاعت و حفاظت اور صیانت اسلام کا ذریعہ بنادے۔ آمین۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ (حضرت مولانا خان محمد صاحب۔ خانقاہ سراجیہ کندیاں)

دینی مدارس شر کے سیلاب کو روکیں — مجھے اخبارات سے معلوم ہوا کہ آپ نے علماء میں جو موجودہ اختلافات ہوگئے ہیں، ان کو دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی دیں اور جزائے خیر دیں اور ہمیں شیطان کے پھسلانے سے بچائیں — میں اس خط میں آپ کی توجہ مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے اور اللہ تعالیٰ کے پہلے گھر پر حملہ کرنے کے متعلق دلانا چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے ایسا بڑا سنگین واقعہ اس امت کی زندگی میں یا کم از کم ہماری زندگی میں پیش نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کے گھر پر حملہ قیامت کی ابتدائی نشانیوں میں سے ہے۔ اس واقعہ سے سب سے بڑی بیداری علماء کرام میں ہونی چاہیئے اور دار العلوم کو اپنے طلباء کی توجہ اسطرف دلاکر ماہ میں کم از کم ایک دن باہر جاکر گاؤں میں تقریر کرنی چاہیئے تاکہ عوام میں دینی بیداری پیدا ہو اور شر کے اس بڑے سیلاب کو روکا جائے جسکی وجہ سے یکدم ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کا بے دین ہونے کا ڈر ہے۔

اگر دو تین اہل فہم طلباء کا ایک گروہ ہر ماہ ایک گاؤں میں جاکر دین کی بے بہا نعمت لوگوں کو پیش

کرے تو چند ماہ میں اللہ تعالیٰ دینی رجحان پیدا فرمادیں گے۔ چند تقاریر سے طلباء کو تیار کرنا مشکل نہیں ہے۔ میرے خیال میں آجکل سب سے بڑی عبادت ذکر اذکار سے بھی زیادہ اس سیلاب کو روکنا ہے، جسکے اثرات صرف ہم پر نہیں بلکہ آئندہ نسلوں کی روحانیت کو ختم کر دینے والے ہیں ـــــ یہاں میں آپ کی توجہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ کی طرف دلانا چاہتا ہوں جس میں آپ نے قبیلہ اشعری کے متعلق فرمایا کہ ان میں علماء کرام موجود ہیں، علم و فہم رکھتے ہیں، مگر لوگوں کو نصیحت نہیں کرتے ہیں، اس لئے میں انکو اس دنیا ہی میں عذاب دوں گا۔ پھر اس قبیلہ کے علماء نے حاضر ہو کر عرض معروض کے بعد ایک سال کی مہلت طلب کی ـــــ یقیناً آپ مجھ سے کہیں زیادہ علم و فہم رکھتے ہیں۔ میرا مقصد صرف عاجزانہ توجہ دلانا تھا۔ دار العلوم اس ذمہ داری سے سبکدوش نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے طلباء کو اس شر کی روک تھام میں اگر زیادہ نہیں تو صرف ایک دو دن ہی لگائیں ـــــ کاش کہ آپ یہ پیغام سب دار العلوم تک پہنچائیں اور ان میں ایک نئی زندگی کیساتھ اس مجاہدے کا ذوق پیدا کریں اور آخرت کی عظیم پونجی حاصل کریں۔

(محمد انور قریشی۔ آپریشنل انجینئر واپڈا۔)

نہایت قابل تحسین | یہ خبر سنکر آپ کو یقیناً مسرت ہوگی کہ مولانا دلاور حسین صاحب دلاوری کی سرپرستی میں ایک ادارہ "ادارۂ مدنیہ" کے نام سے قائم کیا گیا ہے جسکا مقصد حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے علوم، ملفوظات اور تصانیف کا بنگلہ اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کرنا اور اسے پاکستان کے گھر گھر پہنچانا ہے، ابتداءً حضرتؒ کے دینی رسالہ "ارشادات شیخ الاسلام" کا بنگلہ ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ ہے، اس سلسلہ میں راقم نے کئی اضلاع کا دورہ کیا اور مدنی پروانوں سے مشورہ اور تعاون طلب کیا۔ امید ہے آپ اپنی بہترین ہدایات اور آراء سے نوازیں گے۔

(عبد المالک الحسینی، قاسمیہ، کندہ، مدرسہ پھولپور، ضلع میمن سنگھ۔ مشرقی پاکستان)

ناظم دفتر اہتمام

احوال و کوائف دارالعلوم

دارالعلوم حقانیہ میں ہر طبقۂ فکر اور مکتب خیال کے اکابر اہل علم اور زعماء کی آمد و رفت جاری رہتی ہے، دارالعلوم کے طلبہ مہمانوں کے اعزاز و اکرام اور والہانہ خیر مقدم میں پیش پیش ہوتے ہیں اور معزز مہمانوں کے ارشادات اور خیالات سے مستفید ہونے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں پچھلے ماہ بھی کئی معزز مہمان دارالعلوم تشریف لائے اور طلبہ کو اپنے خیالات اور پند و نصائح سے محظوظ فرمایا۔

مولانا فضل عثمان مجددی افغانی کی آمد افغانستان کے مجددی خانوادہ کے ایک ممتاز فرد اور حضرت ملا شور بازار نور المشائخؒ کے فرزند مولانا فضل عثمان مجددی ۱۳ ستمبر بروز جمعہ تشریف لائے حضرت شیخ الحدیث کے مکان پر کئی گھنٹے قیام فرمایا، نماز جمعہ سے قبل مجمع سے اپنے پُر جوش کلمات خیر و حکمت سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ بیت المقدس کے المیہ کے علاوہ ملک میں سوشلزم جیسے غیر اسلامی نعروں کے فروغ پر انتہائی درد اور الم کا اظہار کیا اس ضمن میں انہوں نے فرمایا کہ ایک جرمنی نے مجھے کہا کہ تم مسلمان اس لئے ترقی نہیں کرتے کہ آپ نے اپنا راستہ اور اپنا نظریہ چھوڑ دیا ہے ظاہری اسباب اور وسائل کی کمی نہیں، دنیاوی ترقی کے امور بھی آپ نے اپنائے اور دین پر آپ نے چلنا ترک کر دیا ــــ انہوں نے فرمایا کہ میں نے جو امیدیں پاکستان سے وابستہ کی تھیں، افسوس کہ وہ خاک میں مل گئی ہیں، ہمیں چاہیئے کہ اپنے اور اپنے آباد اجداد کے دین اسلام پر ڈٹے رہیں۔ نئے نئے نعروں اور ازموں کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں، وہ کمیونزم جو افغانستان اور پاکستان میں پھیل رہا ہے ہمیں اس سے بچنے کی فکر کرنی چاہیئے، یہ درحقیقت دہریت ہے اور میں نے بخارا وغیرہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس اشتراکیت میں عورتوں تک کے مشترکہ سرمایہ بنا لیا جاتا ہے اس اشتراکیت کی کوئی چیز نہ تو اسلام برداشت کر سکتا ہے اور نہ پختون قوم کی غیرت و حمیت۔ ہم صرف حضورؐ کا دامن تھام لینے سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارا خاندان ہمیشہ علم اور دین کا خادم رہا ہے۔ یہاں دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں دین کی جو عظیم الشان خدمات ہو رہی ہیں جو کچھ ہمارے ہاتھوں سے خدمت ہو سکے ہم اس سے دریغ نہ کریں گے۔

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی آمد پشاور سے واپسی پر حضرت مولانا احتشام الحق صاحب

دارالعلوم تشریف لائے دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور دیگر اساتذہ سے دیر تک تبادلۂ خیالات فرمایا اور حاضرین مجلس کو اپنی ظرافت آمیز اور پرحکمت گفتگو سے نہایت محظوظ فرمایا۔

مولانا مفتی محمود صاحب کی آمد | ۱۰ ر شعبان کو حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مردان جاتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث سے ملاقات اور تبادلۂ خیالات کی غرض سے دارالعلوم ٹھہرے، دیگر علماء کے علاوہ خانقاہ سراجیہ کندیاں کے ممتاز مرشد حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ بھی آپ کے ساتھ تھے، اس وقت وفاق المدارس العربیہ کے زیر اہتمام دورۂ حدیث کا امتحان جاری تھا حضرت مفتی صاحب سیدھے امتحان گاہ تشریف لیگئے اور بحیثیت جنرل سیکرٹری وفاق المدارس، امتحانات کا معائنہ فرمایا۔ طلبہ کی کثیر تعداد اور نظم وضبط کو دیکھ کر نہایت مسرت اور اطمینان ظاہر فرمایا۔ بعد از ظہر طلبا کی خواہش پر آپ نے مسجد میں مختصر خطاب فرمایا اور شام کو واپسی ہوئی۔

سالانہ امتحانات | سالانہ امتحانات ۲۰ ر رجب کو شروع ہو کر ۱۱ ر شعبان تک جاری رہے، دورۂ حدیث کے امتحانات کی نگرانی وفاق کے نامزد نگران جناب مولانا میاں محمد جان صاحب مدرسہ حمایت الاسلام غلجی نے فرمائی اور دیگر امتحانات کی نگرانی کا کام مقامی اساتذہ نے انجام دیا۔ ۱۲ ر شعبان سے دارالعلوم کے شعبۂ عربی میں تعطیلات رمضان شروع ہوئیں۔ شعبۂ تعلیم القرآن، دارالافتاء اور دیگر دفاتر حسب معمول مصروف رہیں گے۔

بقیہ: ہمارے اسلاف:

اور اسکی بیوہ بھیک مانگ کر اس کے جسم وجان کی پرورش کا انتظام کرتی تھی، لیکن وہ بھی خدا کو پیاری ہوگئی اس بوڑھی عورت نے کہا کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہنا چاہتی۔ میں نے اس عورت کو فوری طور پر بری کر دیا۔ اور حکم دے دیا کہ اسکو تین روپے ماہوار سرکاری خزانے سے ادا کئے جائیں۔ جب یہ حکم اس عورت کو سنایا گیا تو وہ خوشی سے رو پڑی، جب تک میں اس علاقے میں مجسٹریٹ رہا وہ بوڑھی عورت ہر ماہ عدالت میں آتی اور میرے سر پر اپنے شفقت بھرے ہاتھ پھیرتی —— شاید یہ اس بوڑھی عورت کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ مجھے زندگی میں اتنے بڑے مقام میسر آئے۔"

اے مسجد اقصیٰ

نصرت شاہجہانپوری

اے مسجد اقصیٰ تو مری فکر کی تنویر — تو عشق کی تعمیر ہے تو درد کی تفسیر
تو میری وفاؤں کی ہے منہ بولتی توقیر — تو میرا مقدر ہے، مرا شوق سراپا
اے مسجد اقصیٰ

ٹوٹی ہے قیامت ترے ہر ماہ جبیں پر — تڑپی ہے نئی برق ستم قلب حزیں پر
خون بہتا ہے ہر سمت تری پاک زمیں پر — دیکھا نہیں جاتا ترے غم کا تماشا
اے مسجد اقصیٰ

مانا کہ ستم گر ہے، جفا کار ہے دشمن — غاصب ہے ریاکار ہے مکّار ہے دشمن
خونخوار ہے خون بار ہے غدار ہے دشمن — یہ دشمن دیں نذر فنا ہو کے رہے گا
اے مسجد اقصیٰ

یہ جبر کا سیلاب ہے یہ ظلم کا طوفان — یہ شعلہ نمرود ہے یہ فتنہ شیطان
یہ دور دغا کا ہے ابھرتا ہوا ہیجان — مٹ جائیگا یہ دور دغا، خطرہ اعدا
اے مسجد اقصیٰ

یہ دشمن دیں بڑھ کے بہت بول رہا ہے — یہ امن کے دامن میں لہو گھول رہا ہے
پھر جنگ و جدل کیلئے پر تول رہا ہے — ہم اس سے خبردار ہیں، ہشیار ہیں ہر جا
اے مسجد اقصیٰ

ہم تیرے طلبگار ہیں ہم تیرے نگہدار — ہم تیرے سپاہی ہیں مجاہد ہیں وفادار
ہم عزم کے ہاتھوں میں ہیں چلتی ہوئی تلوار — ہم جوشِ شہادت کا ہیں بہتا ہوا دھارا
اے مسجد اقصیٰ

چمکے گا تری عزت و حرمت کا ستارا — آزادی و خوشحالی و نصرت کا ستارا
آسودگی و عظمت و شوکت کا ستارا — کٹ جائے گا تاریکیٔ ایام کا گھیرا
اے مسجد اقصیٰ

بجتا ہے ترے نام کا کونین میں ڈنکا — ہر سو ہے ترے خون شہیداں کا اجالا
تیرے لئے ہے سینہ سپر ملّت بیضا — تیرے لئے مرنا بھی ہے تیرے لئے جینا
اے مسجد اقصیٰ